حکومتِ اسلامی



حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ

حکومت اسلامی

حصہ اول

و

حصہ دوم

از

مرجع عالیقدر آیت اللہ العظمیٰ
الامام السید روح اللہ الخمینی

ناشر:
کتاب مرکز
شمالی ناظم آباد۔ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

"ولایت فقیہ" ایک ایسا موضوع ہے جس کا تصور ہی موجب تصدیق بن جاتا ہے۔ استدلال کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر شخص عقائد و احکام اسلام کو اجمالاً تو جانتا ہی ہے۔ جب ولایت فقیہ کا تصور کرتا ہے تو فوراً اس کی تصدیق ہو ہی جائے گی اور خود وہ سمجھ لے گا کہ یہ بدیہی اور ضروری ہے آج کل ولایت فقیہ پر زیادہ توجہ نہ ہونے کی علت مسلمانوں کی اجتماعی حالت اور حوزۂ علمیہ کی وضع ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

ابتدا میں راہ اسلام کی ترقی میں خلاف یہودی تھے ابتدا ہی سے افکار اسلامی کے خلاف ان کی تبلیغات ایسی شروع ہوئیں کہ جو اب تک باقی ہیں اور آپ خود دیکھ رہے ہیں اس کے بعد نوبت ایک ایسے گروہ کی آئی جو یہودیوں سے بھی بدتر تھے انہوں نے تین سو سال یا کچھ زیادہ مدت سے اسلامی حکومتوں میں اپنے اثر و رسوخ کا استعمال شروع کر دیا اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں نے ایسے حالات پیدا کرنے شروع کر دیئے اور ایسی راہیں ہموار کرنا شروع کر دیں کہ اسلام ہی فنا ہو جائے یہ گروہ لوگوں کو اسلام سے اس لئے دور نہیں کرنا چاہتا تھا کہ عیسائیت کی جڑیں مضبوط ہو جائیں کیونکہ درحقیقت ان کو نہ تو اسلام سے کوئی عقیدت تھی اور نہ ہی عیسائیت سے کوئی لگاؤ تھا، البتہ اس مدت میں اور صلیبی جنگوں کے درمیان اس بات کا احساس ضرور ہو گیا تھا کہ اُن کے مادی منافع اور سیاسی اقتدار کے اثر و نفوذ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام اور اُس کے احکام ہیں لہٰذا اسلام کے خلاف تبلیغات اور سبیہ کاری شروع کر دیا۔

حوزہ ہائے روحانیت کے نکلے ہوئے مبلغین، یونیورسٹیوں، حکومت کے تبلیغی مشن، انتشاراتی بینک، استعماری حکومتوں میں کام کرنے والے مستشرقین، ان سبھوں نے حقائق اسلام میں تحریف کی ہے۔ حتیٰ کہ زیادہ تر بہت سے لوگ بلکہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اسلام کے حقائق سے ناواقف ہے اور اشتباہات کا شکار ہے۔

اسلام حق و عدالت کے خوگر مجاہدین کا دین ہے جو حریت پسندوں کا دین ہے، استعماری قوتوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کا دین ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اسلام کا تعارف ہی دوسری طرح سے کرایا۔ اور اب بھی کرا رہے ہیں۔ عام انسانی ذہنوں میں اسلام کا جو ناقص اور غلط تصور پیدا کیا گیا ہے، حوزہ ہائے علمیہ میں جو ناقص تصور پیش کیا جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی انقلابی و حیاتی خاصیت کو اسلام سے چھین لیا جائے۔ مسلمانوں کے جذبۂ حریت و آزادی کو ختم کر دیا جائے۔ اس کی ساری کوشش یہ ہے کہ مسلمان ایسی حکومت نظام قائم کرنے پائیں جو ان کے سعادت کی ذمہ دار ہو اور ایسی زندگی نہ بسر کر سکیں جو شایان شان انسان ہے۔ مثال کے طور پر وہ تبلیغ کرتے ہیں کہ اسلام جامع دین نہیں ہے، اسلام زندگی کا مذہب نہیں ہے، اسلام کے پاس نظام زندگی نہیں ہے۔ طرز حکومت اور حکومتی قوانین نہیں ہیں۔ اسلام تو صرف حیض و نفاس کا مذہب ہے۔ کچھ اخلاقی قدریں ہیں۔ مگر جامعہ کے ادارے اور زندگی کے لئے اسلام کے پاس کچھ نہیں ہے اور افسوس کی بات ہے کہ ان غیر واقعی تبلیغات کا اثر ہو رہا ہے۔ اس وقت عام انسانوں کا تذکرہ تو جانے دیجئے، یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل افراد، بہت سے اہل علم بھی اسلام کو نہیں سمجھتے ہیں یا اسلام کے بارے میں غلط تصور رکھتے ہیں۔ جس طرح لوگ کسی اجنبی مسافر کو نہیں پہچانتے اسی طرح اسلام کو بھی نہیں پہچانتے۔ اسلام دنیا میں مسافروں کی زندگی بسر کر رہا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی

اسلام کا صحیح تصور پیش کرنا چاہے تو لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ اسلام میں یہ بھی ہو سکتا ہے۔؟ مگر استعمار زدہ افراد فوراً اس کے خلاف ہنگامہ کرنے لگتے ہیں۔

واقعی اسلام اور لوگوں کے پیش کردہ اسلام میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ نیز قرآن و کتب احادیث اور رسالہ ہائے عملیہ میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ دستور و احکام کا سرچشمہ قرآن و حدیث اور مجتہدین کرام کے رسالہ ہائے عملیہ میں جامعیت اور اجتماعی زندگی میں اثر انداز ہونے کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآن کی وہ آیات جن میں اجتماعیات کا درس دیا گیا ہے۔ ان آیات کی بہ نسبت جو عبادات سے متعلق ہیں۔ ننانوے فیصدی سے زیادہ ہیں۔

اسی طرح حدیث کی کتابیں پورے ایک دورے ہیں۔ جو تقریباً پچاس کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے اور جس میں تمام احکام اسلام موجود ہیں۔ صرف تین چار کتابیں عبادات اور عبد و معبود کے مابین روابط پر مشتمل ہوتی ہیں، کچھ اخلاقی احکام بھی ہوتے ہیں ورنہ باقی پورے کا پورا دورہ اجتماعیات، اقتصادیات، حقوق و سیاست و تدبیر جامعہ پر مشتمل ہوتا ہے۔

آپ حضرات جوان ہیں اور انشاء اللہ مستقبل میں اسلام کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔ میں جو مختصر مطالب آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، ان کو اپنی پوری زندگی کا وظیفہ بنائیے اور قوانین اسلام کو پہچنوانے میں باقاعدہ کوشش فرمائیے آپ جو طریقہ مناسب سمجھیں تحریراً، تقریراً لوگوں کو بتائیے کہ اسلام اپنے دور ہی سے کتنے مشکلات سے گزرتا رہا ہے اور آج بھی اس کے کتنے دشمن ہیں اور اس کے لئے کتنی مصیبتیں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حقیقت ماہیت اسلام مخفی رہ جائے اور لوگ یہ سوچنے لگیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی حق و خلق کے درمیان رابطے کے لئے صرف چند تجلیلوں پر گننے والا دستور رکھتا ہے اور مسجد و کلیسا میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جس وقت مغرب کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اس کے باشندے وحشیوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ امریکہ نیم وحشی سرخ پوستوں کی سرزمین تھی اور دو عظیم سلطنتیں ایران و

روم محکوم استبداد تھیں۔ طاقت وروں کی حکومت تھی، جمہوریت و قانون نام کی کوئی چیز نہ تھی، اس وقت خداوند عالم نے اپنے رسول کے ذریعہ ایسے قوانین بھیجے کہ ان کی عظمت دیکھ کر انسانیت جھوم اٹھی۔ اسلام تمام امور کے لئے قانون رکھتا ہے۔ حد یہ ہے کہ نطفہ منعقد ہونے سے پہلے اور مرنے کے بعد تک سارے احکام اسی طرح دامن اسلام میں محفوظ ہیں۔ جس طرح وظائف عبادی، اجتماعی، حکومتی قانون موجود ہیں۔ حقوق اسلام روزافزوں ترقی پانے والے جامع و کامل حقوق کا نام ہے۔ احکام قضاء و معاملات و حدود و قصاص سے لے کر ملتوں کے درمیان کے روابط، صلح و جنگ کے مقررات، عمومی و خصوصی بین الملی حقوق پر اب تک جو کتابیں لکھی جا چکی ہیں وہ تو احکام و نظام اسلام کے ایک شمہ کے برابر ہیں۔ کوئی ایسا حیاتی موضوع نہیں ہے جس کے لئے اسلام نے کوئی حکم نہ بیان کیا ہو۔

مخالفین اسلام نے ہماری نوجوان و روشن فکر نسل کے مسلمانوں کو یہ سمجھا کر اسلام سے منحرف کر دیا ہے کہ اسلام کے پاس کچھ نہیں ہے، اسلام چند حیض و نفاس کے احکام کا مجموعہ ہے۔ ملاؤں کو بس حیض و نفاس ہی پڑھنا چاہیئے۔ جو اہل علم نظریات و نظام جہان بینی اسلام کی ترویج کی فکر نہیں کرتے اور اپنے قیمتی اوقات کو برباد کرتے ہیں اور اصول اسلام کو فراموش کر بیٹھے ہیں وہ تو اس قسم کے اعتراضات اور حملوں کے شکار ہوں گے ہی لیکن پتا چلائیے کیا ساری خطا مخالفین اسلام کی ہی ہے؟ کیا ہمارے علماء کی بھی خطا نہیں ہے؟ مخالفین نے اپنے سیاسی و اقتصادی اغراض کے ماتحت چند سالوں سے اس کی بنیاد رکھی ہے اور حوزہ ہائے روحانیت کی کمزوری و اہمال کی وجہ سے ان کی ہمت افزائی ہوئی ہے۔ ہمارے

ط۔ یہ کتاب سرکار آیت اللہ العظمیٰ علامہ روح اللہ خمینی مدظلہ کی ان تقریرات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے حوزہ علمیہ نجف اشرف میں طلاب کے سامنے آپ نے فرمائی ہیں۔

۱۲ مترجم

علماء نے نادانستہ طور پر ان کے مقاصد کی مدد کی ہے اور اسی لئے آج حالات اتنے بدتر ہو گئے ہیں۔

کبھی یہ کہہ کر وسوسے پیدا کرتے ہیں کہ احکام اسلام ناقص ہیں، مثلاً دادرسی اور قضاوت کے قانون جیسا کہ ہونا چاہئیے اسلام کے پاس نہیں ہے اسی قسم کی تبلیغ اور وسوسے کی وجہ سے انگریزوں کے پٹھو اپنے آقاؤں کی حسب ہدایت اساسی مشروطہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور لوگوں کو کچھ ایسے شواہد و اسناد جیسا کہ ان کے پاس ہیں ان کے ذریعہ سے دھوکہ دیتے ہیں، اسی طرح اپنے سیاسی جرائم کی ماہیت سے لوگوں کو غافل بنا دیتے ہیں۔ مشروطہ کی ابتداء میں جب قانون بن رہا تھا اور اساسی قانون کو مدوّن کرنے کا ارادہ کیا جا چکا تھا تو بلجیک کی سفارت سے بلجیکی مجموعہ قانون کو قرض لیا گیا اور چند آدمیوں نے، جن کا میں نام لینا اس وقت مناسب نہیں سمجھتا ہوں اسی کے لحاظ سے قانون اساسی کو تحریر کیا اور اس کی خامیوں کو فرانس اور انگریز کے قانون سے دور کیا اور قوم و ملت کو دھوکا دینے کے لئے کچھ اسلامی احکام بھی شامل کر دیئے ان لوگوں نے قوانین کو اخذ کر کے ہماری ملت کے سر تھوپ دیا۔ بادشاہی ولیعہدی اور اسی قسم کے دوسرے قانون کس اسلام سے لئے گئے ہیں؟ یہ سب قانونِ الٰہی کے مخالف ہیں اور حکومتِ اسلامی کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ سلطنت و ولی عہدی تو وہی ہے جس کو صدیوں پہلے اسلام نے ختم کر دیا تھا۔ صدر اسلام میں ایران، مشرقی روم، مصر، یمن وغیرہ سے اس کے بساط کو اسلام لپیٹ چکا تھا۔ حضور اکرمؐ نے بادشاہِ روم ہرکولیس بادشاہ ایران کو جو خطوط تحریر فرمائے تھے ان میں ان سے کہا تھا شاہنشاہی طرزِ حکومت کو ختم کر دو، خدا کے بندوں کو اپنی پرستش پر آمادہ مت کرو۔ لوگوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف آمادہ کرو ـــ سلطنت و ولی عہدی وہی باطل و منحوس طرزِ حکومت ہے جس کے خلاف سید الشہداء نے کربلا میں جنگ کی تھی۔ یزید کی ولی عہدی کو قبول نہیں فرمایا۔ اس کی سلطنت کا اعتراف نہیں کیا۔ تمام مسلمانوں کو بھی یزید کے خلاف آمادہ کیا، اپنا گھر بار لٹایا شہادت قبول کر لی مگر یزید کی باطل حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ سلطنت و ولی عہدی کا اسلام سے کیا ربط؟ اسلام میں بادشاہت

و ولی عہدی نہیں ہے۔ اگر اسلام کے نقص کا یہی مطلب ہے تو واقعی اسلام ناقص ہے اور یہ نقص ایسا ہی ہے جیسا کہ اسلام میں شراب خواری، سود خواری کے طریقے نہیں بتائے گئے۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں اسلام کی نظر میں حرام ہیں۔ استعماری قوتوں کے پٹھو حاکم بلادِ اسلامی میں جو اس قسم کے احکام رواج دینا چاہتے ہیں، وہی لوگ اسلام کو ناقص سمجھتے ہیں اور وہ لوگ مجبور ہیں۔ وہ اس قسم کی چیزوں کے لئے انگریزی، فرانس، بلجیک اور آخر میں امریکہ کے قانون سے مدد لیں اور اسلام کا اس قسم کے بے ہودہ و ناجائز کاموں کے لئے راستے نہ معین کرنا اسلام کا کمال ہے یہ تو اسلام کے لئے باعثِ فخر ہے

انگریزوں کی استعماری حکومت نے مشروطہ کے آغاز میں جو تمہید رکھی تھی۔ اس کے دو مقصد تھے۔ ایک تو اسی وقت ظاہر ہو گیا کہ روس کا اثر و نفوذ ایران سے ختم ہو جائے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ مغربی قوانین نافذ کر کے احکام اسلام کو میدانِ عمل سے خارج کر دیا جائے ہماری اسلامی حکومت کے لئے اجنبی قوانین کے اجراء نے بہت زیادہ مشکلات پیدا کر دیے عدلیہ میں باخبر حضرات بہت سے ایسے ہیں جن کو عدالت کے طریقۂ کار سے بہت شکایت ہے اگر کوئی بے چارہ ایرانی عدالت یا اس قسم کے دوسرے ممالک کی عدالت میں اپنا حق حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے عمرِ نوحؑ درکار ہے۔ ایک بہت ہی متبحر قسم کے وکیل جن کو میں نے اپنی جوانی میں دیکھا تھا، کہا کرتے تھے کہ کسی بھی دو فریق کے مقدمات کو عدالت کے قوانین کی بنا پر تمام عمر چلا سکتا ہوں اور میرے بعد میرا لڑکا بھی اپنی عمر بھر چلا سکتا ہے۔ آج کل کا نقشہ واقعی ایسا ہی ہے۔ عدلیہ کے موجودہ قوانین سوائے زحمت، اپنے کام اور زندگی سے باز رہنے، غیر شرعی طریقہ سے استفادہ کرنے کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں رکھتے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپنے واقعی حق کو حاصل کر لے اور اب تو جھگڑوں کے فیصلہ کے لئے تمام جہات کی رعایت ضروری ہے۔ محض یہ کوشش کرنا کہ حق حقدار تک پہنچ جائے آج کل صرف اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ لوگوں کا تمام کام برباد نہ ہو، کیفیتِ زندگی میں خلل نہ پڑنے پائے، مدعی

مدعا علیہ کی مشغولیتوں کا لحاظ رکھا جائے یہ سب چیزیں دیکھنی ہوں گی۔ یعنی جتنی جلدی اور سادہ طریقے سے صحیح کام ہو' وہی بہتر طریقہ ہے۔ پہلے جن جھگڑوں کو قاضی شرع دو یا تین دن کے اندر حل کر دیا کرتے تھے وہ آج کل بیس سال میں بھی فیصلہ نہیں ہو پاتے اور مقدمہ کے فیصلہ ہونے تک جوانوں' بوڑھوں' حاجت مندوں کا روزانہ صبح سے شام تک عدالتوں کا چکر لگانا۔ راستوں میں میزوں کے پشت پر سرگرداں و پریشاں رہنا ضروری ہے۔ مگر پھر یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ہوا کیا۔ ؟ البتہ چالاک اور رشوت دینے والے افراد اپنے کام کو چاہے وہ ناحق ہی ہو بہت جلد ختم کرا لیتے ہیں۔ ورنہ ساری زندگی نجات ملنی مشکل ہے۔

یہ لوگ اپنے اخباروں اور کتابوں میں لکھا کرتے ہیں۔ "اسلام میں جرائم کی سزا بہت سخت ہے۔" ایک بے حیا نے یہاں تک لکھ دیا کہ سخت سزا بدو ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بدوؤں کی سختی ہے جو اس قسم کے احکام نافذ کئے گئے' مجھے تعجب ہوتا ہے آخر ان لوگوں کا انداز فکر کیا ہے؟ زاویہ نظر کیا ہے؟ ایک طرف تو دس گرام ہیروئن کی خاطر متعدد اشخاص کو یہ کہہ کر قتل کر دیتے ہیں کہ یہ قانون ہے کچھ دنوں پہلے دس آدمیوں اور ابھی آخری دور میں ایک آدمی کو دس گرام ہیروئن کی خاطر قتل کر دیا گیا۔ اتفاق سے یہ اطلاع مجھے مل گئی۔ انسانیت کے خلاف قوانین جب لوگ بناتے ہیں تو اس میں سختی نہیں ہوتی کیونکہ یہ کہہ دیتے ہیں فساد روکنے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ لوگوں کو ہیروئن بیچنا چاہیئے' لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس کی سزا یہ نہ ہونی چاہیئے۔ اس کی روک تھام ضروری ہے۔ مگر سزا مناسب ہونی چاہیئے لیکن اسلامی قاعدے سے اگر شراب خوار کو اسی (۸۰) تازیانے مارے جائیں تو یہ سزا سخت ہے لیکن دس گرام ہیروئن کے لئے سزائے قتل سخت نہیں ہے۔ حالانکہ معاشرہ میں زیادہ تر بلائیں شراب خوری ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں' راستوں کے ایکسیڈنٹ' خودکشی' واردات قتل قسم کے جرائم زیادہ تر شراب خوری کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ شرابی یا ہیروئن کے عادی

ہو جاتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود شراب خوری اس لئے بری نہیں ہے کہ مغرب میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے آزادانہ شراب کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اگر فحشاء (برائیاں) مثلاً شراب خوری کو روکنے کے لئے اسی (۸۰) کوڑے کی سزا اور زنا کے لئے سو تازیانے معین کئے جائیں یا شوہر دار عورت کے زنا پر اور بیوی والے شخص کے زنا پر رجم کا حکم دیا جائے تب تو واعصیبتا اور شادیلا مچایا جاتا ہے اور عرب کی مزاجی کیفیت کہا جاتا ہے حالانکہ اسلام کے جزائی احکام ایک بہت بڑی قوم کو مفاسد سے بچانے کے لئے آئے ہیں۔

آج جو برائیوں کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ نسلیں غیر محفوظ ہیں' جوانوں کے اخلاق فاسد ہیں۔ یہ سب انہی عیاشیوں کا نتیجہ ہے جس کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں۔ اب اگر جوانوں کی نسلوں کو محفوظ اور ان کے اخلاقیات کو سدھارنے کے لئے کسی مجرم کا اسلام مجمع عام میں سزا دینے کا حکم دے دے تو کیا یہ احکام اسلام کی سختی ہے؟ کیا عقلاً ایسا ہونا چاہیئے تھا۔ ؟

اور ذرا دوسری طرف ملاحظہ فرمایئے۔ تقریباً دس سال پہلے ویت نام میں امریکہ نے جو کشتوں کے پشتے لگا دیئے ہزاروں بے گناہوں کا خون بہایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے ذہنی ہے اور اگر اسلام لوگوں کو ایسے قوانین کا پابند کر دے جو انسان کے لئے مفید ہیں۔ اور دفاع یا جنگ کا حکم دے دے اور چند فاسد اور مفسد قسم کے لوگوں کو قتل کر دے تو یہ محل اعتراض ہے کہ یہ جنگ کیوں ہوئی؟ یہ تو ظلم ہے' بربریت ہے' وغیرہ وغیرہ...... یہ سب چند صدی پہلے کا پروگرام ہے جس پر رفتہ رفتہ عمل کر کے مغرب والے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

شروع شروع جب کسی جگہ کوئی فحشاء کھولا گیا اور ہم نے سکوت اختیار کیا۔ ہم جیسے دوسروں نے بھی غفلت برتی اور مخالفت نہیں کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ

ان کی تعداد بڑھ گئی اور اب یہ عالم ہے کہ کوئی قصبہ یا دیہات ایسا نہیں ہے جہاں ان کے مبلغین نہ ہوں اور وہ ہمارے بچوں کو نصرانی یا بے دین نہ بنا رہے ہوں ۔

ان لوگوں کا پروگرام ہی یہ ہے کہ ہم کو پسماندہ رکھیں اور ہماری زبوں حالی باقی رہے تاکہ ہمارے سرمایہ سے ہمارے زیر زمین خزانوں پٹرول سے ہماری قوتوں سے فائدہ حاصل کریں۔ ہم کو بیچارگی کی زندگی بسر کرنی پڑے۔ ہمارے فقراء اسی بدبختی و زبوں حالی میں مبتلا رہیں اور لوگوں نے جو نقشہ بنایا تھا۔ وہ اتنا وسیع تھا کہ اس کے اثر سے ہمارے حوزہ ہائے علمی و دینی بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ چنانچہ اگر کوئی حکومت اسلام کے بارے میں گفتگو کرنا چاہے تو تقیہ کرے اور استعمار زدہ لوگوں کی مخالفت برداشت کرے۔ چنانچہ جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو ایرانی سفارت خانے کے عمال میں بڑا ہیجان برپا ہوا اور وہ حرکتِ مذبوحانہ کرنے لگے اور اپنے کو پہلے سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا کیا۔

اب تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ فوجی لباس کو خلاف مروت و عدالت سمجھا جانے لگا ہے۔ حالانکہ ہمارے ائمہ خود بھی سپاہی تھے، سردار تھے جنگی تھے، جنگوں میں جیسا کہ تاریخ کے مطالعے سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ فوجی لباس پہن کر شرکت کرتے تھے اور مقابل کو قتل کرتے تھے۔ خود امیر المومنینؑ اپنے سر پر خود جسم مبارک پر زرہ اور شمشیر حمائل فرماتے تھے۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ بھی یوں ہی کرتے تھے، زمانے نے فرصت نہ دی ورنہ حضرت امام محمد باقرؑ بھی اسی طرح ہوتے اور اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ سپاہیانہ لباس خلاف عدالت سمجھا جاتا ہے ہم اگر حکومت اسلامی بنانا چاہیں تو اسی عمامہ اور عبا قبا میں بنائیں ورنہ خلاف مروت و عدالت ہوگا۔ یہ سب اجنبیوں کی تبلیغ کا اثر ہے جس نے آج ہم کو اس نوبت پر پہنچا دیا ہے اور حد تو یہ ہے کہ ہم اگر کہیں کہ اسلام بھی حکومتی قواعد رکھتا ہے تو اس کے لئے دلیل و برہان سے ثابت کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اجنبیوں نے اپنی تبلیغات اور مبلغین کے واسطے سے اس کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے قضائی اور سیاسی قانون کو نافذ ہونے سے روک کر اس کی جگہ مغربی

قوانین نافذ کر کے اسلام کو چھوٹا اور اس کو اسلامی معاشرہ سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔

ابھی تک تو استعمار کی خرابیوں کا ذکر کیا، لیکن ذرا اپنے معاشرہ کے بعض افراد کا بھی تذکرہ کروں۔ اُن کی خرابی یہ ہے کہ استعماری حکومتوں کی علمی و صنعتی ترقی دیکھ کر یہ لوگ خود باختہ ہو گئے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ اپنے عقائد و قوانین کو الگ کر کے ہی علمی و صنعتی ترقی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً مغربی دنیا کے لوگ چاند تک پہنچ گئے" ان کو خیال ہوا کہ ہم بھی اپنے عقائد چھوڑ کر ان کے عقائد اختیار کر لیں تو ایسے ہو سکتے ہیں، لیکن ذرا سوچئے چاند پر جانے کو قوانین اسلامی سے کیا ربط؟ اگر ایسا ہوتا تو چاند تک جانے والی حکومتوں کے عقائد سے جن کو تو کیا اختلاف ہے وہ کیونکر علمی و صنعتی ترقی میں ان کا مقابلہ کرتیں؟ اور تسخیر فضا میں ان کے ساتھ کیونکر شریک ہو سکتیں اُن کے ہاں بھی تو اختلاف عقائد ہے کہ نہیں؟ وہ مریخ پر جانا چاہتے ہیں۔ کہکشاؤں میں جانا چاہتے ہیں۔ اس ساری ترقی کے باوجود یہ لوگ نہ تو فضائل اخلاقیات سے متصف ہیں اور نہ اپنی اجتماعی مشکلات کو حل کرنے پر قادر ہیں کیونکہ اُن کی اجتماعی مشکلات و بدبختیوں کا علاج اعتقادی اور اخلاقی قدروں میں پوشیدہ ہے۔ مادی طاقت میں ترقی یا تسخیر فضا سے اُن کا حل نہیں تلاش کیا جا سکتا۔ ثروت و قدرت مادی و تسخیر فضا کے لئے اسلامی ایمان و اعتقاد و اخلاق کی ضرورت ہے تاکہ تکمیل میں توازن باقی رہے اور انسانی خدمت انجام دی جا سکے نہ یہ کہ بلائے جان بن جائے۔ ہمارے پاس ایسا اعتقاد، ایسے اخلاقیات اور ایسے قوانین ہیں اس لئے اگر دنیا ہمیں کھا جائے یا کوئی چیز بنائے تو اس کی وجہ سے ہم کو ایسے دین و قوانین سے دست بردار نہیں ہونا چاہئے۔ جو انسانی زندگی کی ضمانت اور دنیا و آخرت میں حالِ بشر کا مایۂ افتخار ہے۔

ہمارے دشمن اور استعمارگروں کی برابر تبلیغ ہے۔ "اسلام کوئی حکومت نہیں رکھتا تشکیلات حکومت اس کے پاس نہیں ہے اور بالفرض اگر ہے بھی تو مجری نہیں ہے۔ اسلام محض قانون بنانے والا ہے ظاہر ہے اس قسم کی تبلیغات مسلمان کو سیاست اور اساس

سے دُور رکھنے کے لئے اُن کے پروگرام کا ایک جزو ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے بعض افراد بھی اس سے متاثر ہیں۔ حالانکہ اُن کو متاثر نہ ہونا چاہئے۔ مخالفین کے نعرے ہمارے بنیادی عقائد کے مخالف ہیں۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ کو ایک نائب متعین کرنا واجب ہے اور حضورؐ نے ایسا کیا بھی ہے۔ لیکن کیا تعینِ خلیفہ صرف بیانِ احکام کے لئے ہے۔ بیانِ احکام کے لئے خلیفہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو ۔ خود پیغمبرؐ احکام کو بیان کر کے تمام احکام کو ایک کتاب میں لکھ کر لوگوں کے حوالے کر دیتے کہ اسی پر عمل کر لیا کرو مگر پیغمبر نے ایسا نہیں کیا، جس کا مطلب یہی ہے کہ عقلاً تعینِ خلیفہ حکومت کے لئے ہے۔ ہم کو اجرائے قانون کے لئے خلیفہ کی ضرورت ہے قانون کے لئے اجراء کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے، صرف قانون کا بنا دینا سعادتِ بشر کی ذمہ داری پوری نہیں کر سکتا۔ وضعِ قانون کے بعد اجراء کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی حکومت یا تشریع میں اجراء کرنے والوں کا بھی انتظام کیا۔ آخر "ولی الامر" اجراء قانون کرنے والا ہی تو ہوتا ہے اگر پیغمبرِ اسلام اجراء قانون کرنے والے کا تعین نہ کرتے تو کارِ رسالت نامکمل رہ جاتا۔ اجرائے احکام کی قوتِ مجریہ کی ضرورت و اہمیت ہی سبب بنی ہے کہ تعینِ جانشین اتمامِ رسالت کا مُرادف ہو جاتے۔ رسولِ خدا کے زمانے میں فقط قانون ہی نہیں بیان کیا جاتا تھا بلکہ خود آں حضرتؐ قانون کا اجراء بھی فرماتے تھے، چور کا ہاتھ کاٹتے تھے۔ حد جاری فرماتے تھے۔ رجم کرتے تھے۔ خلیفہ کا بھی یہی کام ہے۔ بس خلیفہ کا کام وضعِ قانون نہیں ہے۔ بلکہ خدا و رسولؐ کے احکام کا اجراء کرنا ہے۔ اس لئے تشکیلِ حکومت ضروری ہے۔ اور تشکیلِ حکومت کی ضرورت کا اعتقاد ولایت کے جزئیات میں سے ایک جز ہے اسی لئے تشکیلِ حکومت کے لئے بھی کوشش کرنی چاہئے۔ ذرا توجہ کیجئے۔ مخالفین نے جس طرح اسلام کی غلط تبلیغ کی ہے۔ آپ کا فریضہ ہے کہ اسلام کی اور ولایت کی صحیح تبلیغ کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ ہم ولایت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ نیز رسول نے جو تعینِ خلیفہ کیا خدا نے اپنے نبیؐ کو

تعینِ جانشین اور مسلمانوں کے لئے ولی امر معین کرنے کا حکم دیا۔ ہم اس پر عقیدہ رکھتے ہیں، لہٰذا ہمیں تشکیلِ حکومت کی ضرورت پر بھی عقیدہ رکھنا چاہئے اور ہمیں ایسی حکومت کے قیام کی کوشش کرنی چاہئے۔ حکومتِ اسلامی کی تشکیل کی ضرورت کی راہ میں مبارزہ اعتقادِ ولایت کا لازمہ ہے۔ آپ کا فریضہ ہے کہ قوانینِ اسلام اور اس کے فوائد کو لکھیں چھاپیں۔ یہ نہ سمجھ لیجئے کہ حکومتِ اسلامی کی ذمہ داری آپ کے سر پر ہے۔ اپنے پر بھروسہ کیجئے اور یقین رکھئے کہ آپ اپنے مشن میں کامیاب ہیں۔ استعماری قوتوں نے تین چار سو سال پہلے زمین ہموار کی تھی، انھوں نے صفر سے شروع کیا تھا آج اس منزل تک پہنچے ہیں، ہم بھی صفر سے شروع کریں، چند مغرب زدہ اور استعماری پٹھوؤں سے خوف زدہ نہ ہوں، ان شاء اللہ کبھی نہ کبھی مقصد تک پہنچیں گے۔

لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کیجئے تاکہ جوانوں کی یہ غلط فہمی نہ ہو کہ علماء تو نجف اشرف کے گوشے میں بیٹھ کر صرف حیض و نفاس کے احکام پڑھتے ہیں، ان کو سیاست سے کیا ربط؟ دیانت کو سیاست سے الگ ہونا چاہئے۔ یہ نعرہ کہ "دیانت کو سیاست سے الگ ہونا چاہئے اور علمائے اسلام کو امورِ اجتماعی و سیاسی میں دخل نہیں دینا چاہئے" استعمارگروں کا ہے، بے دینوں کا مقولہ ہے؛ کیا پیغمبرِ اسلام کے زمانہ میں دیانت سیاست سے الگ چیز تھی؟ کیا اس زمانے میں علماء الگ تھے؟ سیاسی لیڈر الگ تھے؟ کیا خلفائے حق۔ یا خلفائے باطل کے زمانے میں دونوں چیزیں الگ الگ تھیں۔ کیا حضرت علیؑ کے زمانے میں؟ سیاست دیانت سے جُدا تھی؟ یہ تو استعمارگروں نے اور اُن کے پٹھوؤں نے پروپیگنڈہ کر رکھا ہے تاکہ دین کو امورِ دنیا کے تصرف سے اور جامعۂ مسلمین کے تنظیم سے الگ رکھیں۔ جب یہ ہو جائیگا تو یہ لوگ عوام پر مسلط ہو جائیں گے اور ہماری دولت کو ہتھیالیں گے۔ ان کا صرف یہی مقصد ہے۔

اگر ہم مسلمان صرف نماز و دعا میں مشغول رہیں تو نہ استعمارگر اور نہ ان کی حکومتیں ہم سے کوئی تعلق رکھیں گی اور نہ ہمارے درپے آزار ہوں گی۔ آپ چاہے جتنی اذان کہئے نماز پڑھئے۔ اور یہ ڈاکا کر لوٹ لے جائیں۔ آپ حوالۂ خدا کر کے خاموش ہو جائیے۔ لاحول ولاقوۃ

اگر ہماری منطق یہی رہی تو لوگوں کو ہم سے کوئی واسطہ ہی نہ ہوگا۔ اس کم بخت ۔ نظامی نگہبان اشتغال عراق ۔ نے یہی تو پوچھا تھا کہ یہ جو اذان کہی جا رہی ہے اس سے انگلستان کی حکومت کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا؟ کہا گیا "نہیں" تو اس نے کہا "چھوڑ دو پھر جو جی چاہے"

اگر آپ استعمارگروں کی سیاست سے کوئی واسطہ نہ رکھیں اور اسلام کے صرف ان ہی احکام کو جن کو ہمیشہ سے پڑھتے آئے ہیں، پڑھیئے۔ اس سے آگے نہ بڑھیئے تو وہ لوگ آپ سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے۔ آپ دل بھر کر نماز پڑھیئے۔ وہ تو آپ کا تیل چاہتے ہیں۔ آپ کی نماز سے ان کو کیا غرض؟ وہ ہمارا تعاون چاہتے ہیں۔ ہماری حکومتوں کو اپنے مال کا بازار بنانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے ان کے بنائے ہوئے حاکم ہم کو صنعتی ترقی سے روکتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں، ہم آدمی نہ بنیں۔ وہ آدمی سے ڈرتے ہیں۔ اگر ایک آدمی پیدا ہو گیا تو اس سے ڈریں گے، کیونکہ خطرہ یہ ہے کہ یہ شخص اپنا جیسا دوسرا بھی بنائے گا۔ اور ایسی بنیاد رکھ جائے گا جس سے ان کی حکومت درہم برہم ہو جائے۔ اسی لئے جب کبھی آدمی پیدا ہوا اس کو یا تو قتل کر دیتے ہیں یا جیل میں ڈال دیتے ہیں یا ملک بدر کر دیتے ہیں یا سولی چڑھا دیتے ہیں سیاسی ہونے کا الزام رکھ کر ایذائیں دیتے ہیں، کہتے ہیں یہ ملا ہے، یہ سیاسی ہے۔ آخر کیا پیغمبر بھی سیاسی تھے۔

یہ اسلام دشمنوں کی تبلیغ آپ کو سیاست سے دور رکھنے اور امور اجتماعی میں داخل نہ ہونے دینے کے لئے کی جاتی ہے تاکہ آپ خائن حکومتوں اور ملت کی ضد سیاستوں کا مقابلہ نہ کریں۔ ان کا جو جی چاہے کریں۔ کوئی ان کو روکنے والا نہ ہو۔

تشکیلِ حکومت کی ضرورت

کسی بھی قانون کا مجموعہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہوتا، مجموعہ قانون اسی وقت انسان کی اصلاح و سعادت کا ذمے دار ہوتا ہے جب اس مجموعہ کے ساتھ عمل کرنے والی طاقت بھی ہو۔ اسی لئے خداوندِ عالم نے قرآن کے ساتھ نبی یا مقام نبی کا بھی التزام رکھا۔ حضور سرورِ کائنات نے ابلاغ وحی و بیان تفسیر و عقائد و احکام اسلام کے ساتھ ساتھ اجرائے احکام و نظامِ اسلام کی برقراری کا بھی انتظام فرمایا تھا۔ یہ سب اس لئے تھا کہ "حکومت اسلامی" کا وجود ہو جائے۔ اپنے زمانے میں حضورؐ نے بیان قانون کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا۔ حضورؐ کے بعد خلیفہ کا بھی یہ فرض ہے۔ پیغمبر اسلام نے صرف عقائد و احکام کے بیان کے لئے ہی نہیں معین فرمایا تھا بلکہ اس کے ساتھ اجرائے احکام و تنفیذ قوانین بھی مقصود تھا۔ تعیین خلیفہ اتنا اہم فریضہ تھا کہ بغیر اس کے کارِ رسالتؐ نامکمل رہ جاتا۔ کیونکہ رسولِ خداؐ کے بعد مسلمانوں کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اجرائے قانون کر سکے، اسلام کے نظام کو معاشرہ میں برقرار رکھ سکے۔

دنیا کے تمام ملکوں میں یہی قاعدہ ہے کہ صرف قانون بنا دینا کافی نہیں ہوا کرتا۔

کا وجود ہو جائے۔ اپنے زمانے میں حضور نے بیان قانون کے ساتھ اجرائے احکام و تنفیذ قوانین بھی مقصود تھا۔ لہٰذا خلیفہ کا اتنا اہم فریضہ تھا کہ بغیر اس کے کارِ رسالت نامکمل ہو جاتا۔ کیونکہ رسولِ خدا کے بعد مسلمانوں کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اجرائے قانون کر سکے، اسلام کے نظام کو معاشرہ میں برقرار رکھ سکے۔

دنیا کے تمام ملکوں میں یہی قاعدہ ہے کہ صرف قانون بنا دینا کافی نہیں ہوا کرتا۔

صرف وضعِ قانون بشری سعادت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ وضعِ قانون کے بعد "قوتِ مجریہ" کا ہونا ضروری ہے۔ جو عدالتوں کے احکام و قوانین کا نفاذ کر سکے۔ اور اس کے عادلانہ فیصلوں کا فائدہ لوگوں کو پہنچا سکے۔ اسی لئے اسلام نے وضعِ قوانین کے ساتھ "ولی امر"[1] کا بھی انتظام فرمایا۔

رسولِ خُدا کا روّیہ و طریقہ

حضورِ اکرمؐ کا رویہ بھی حکومت اسلامی کی ضرورتِ تشکیل پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ نے پہلے خود ہی حکومت کی تشکیل فرمائی اور قوانین کا نفاذ بھی فرمایا۔ اطراف و جوانب میں والی بھیجے، قضاوت فرمائی، قاضی معین کئے، رؤسائے قبائل اور بادشاہوں کے پاس دور و نزدیک ہر جگہ اپنے سفیر روانہ فرمائے، صلح نامے اور معاہدے کئے۔ غرض کہ حکومت کے تمام طریقے استعمال فرمائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکمِ خدا سے اپنے بعد کے لئے حاکم معین فرمایا۔ جب خدا کسی رسول کے بعد حاکم معین کرتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا کرتا ہے کہ رسول کے بعد حکومت بھی ان کے لئے ضروری ہے۔ پیغمبرِ اسلام اپنی وصیت میں فرمانِ الٰہی کے پہنچانے کے ساتھ تشکیلِ حکومت کا بھی اعلان فرما رہے ہیں۔

نفاذِ احکام کی دائمی ضرورت

اس میں کوئی شک نہیں کہ نفاذِ احکام کی ضرورت صرف زمانِ پیغمبرؐ تک محدود

---

[1] اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں "ولی امر" کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ رسولِ اسلام کے بعد ولی امر ائمہ معصومینؑ ہیں جن کے وظائف یہ ہیں: انفاذ احکام و نظام اسلام، اسلام کی لوگوں کے لئے تشریح و بیان، مسلمانوں کے معاشرہ میں نظام اسلام کی برقراری اور اجرائے احکام۔ اسی طرح دنیا کے ہر قوم و ملت و عقائد و ثقافت اسلام کی ترویج و تبلیغ بھی ان کا وظیفہ ہے۔ ائمہ معصومین کے بعد حقیقی نائب عادل ان مقامات کے عہدہ دار و ذمہ دار ہیں۔

نہیں تھی بلکہ رسول کے بعد بھی اس کی ضرورت تھی اور خود قرآنی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام اسلام کسی زمانے یا مکان تک محدود نہیں ہیں، بلکہ ابد تک ان کا نفاذ لازمی و ضروری ہے۔ اسلام صرف زمانِ رسول کے لئے نہیں آیا تھا کہ آپ کی رحلت کے بعد احکام اسلام بھی ختم ہو جاتے۔ حدود و قصاص کا نفاذ نہ کیا جاتا، مالیاتی نظام برطرف ہو جاتا۔ یا دفاع کا حکم ختم کر دیا جاتا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ قوانینِ اسلام کا کسی زمان یا مکان تک محدود ہونے کا عقیدہ بدیہی طور پر اسلامی عقیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا جب احکام رسولِ خدا کے بعد بھی اب تک نافذ العمل ہیں تو ان کے لئے "حکومتِ اسلامی" کی تشکیل بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر حکومت نہ ہوتی اور افراد انسان کی فعالیت نظام عادلانہ کے تحت نہ ہوتی تو ہرج و مرج لازم آئے گا۔ اجتماعی، اعتقادی اخلاقی فساد کا ظہور ہوگا۔ اس لئے ہرج و مرج سے بچانے نیز معاشرہ کو فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے "حکومتِ اسلامی" کی تشکیل واجب و لازم ہے۔ نیز عقل و شرع کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حیاتِ رسول اکرمؐ اور مولائے کائناتؑ میں جو بات ضروری تھی، وہ ہماری زندگی میں بھی لازم و واجب ہے۔ توضیحِ مطلب کے لئے عرض ہے کہ غیبتِ صغریٰ سے اب تک ایک ہزار سال سے زیادہ مدت گزر چکی ہے اور ممکن ہے ایک لاکھ سال تک دورِ غیبت باقی رہے۔ مصلحتِ امامت کا تقاضہ نہ ہو کہ ظہور ہو تو کیا اس تمام مدت میں احکام اسلام معطل رہیں گے؟ جس کا جو جی چاہے کرے؟ ہرج و مرج پیدا ہوتا رہے؟ جن احکام کی تبلیغ و اجراء کے لئے سرکارِ رسالت نے تیئس سال تک طاقت فرسا زحمت برداشت کی وہ محض ایک محدود مدت کے لئے تھے؟ خدا نے احکام اسلام کو صرف ۲۰۰ سال کے لئے بھیجا تھا؟ غیبتِ صغریٰ کے بعد کوئی پابندی نہیں ہے؟ ایسے عقیدے یا اعتقاد کا اظہار اسلام کے منسوخ ہونے کے عقیدے سے بھی زیادہ بدتر ہیں کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اب اسلام کی ضرورت نہیں ہے۔ وطن اسلام کی سرحدوں کی حفاظت اب غیر ضروری ہے۔ مالیات / جزیہ / خراج خمس، زکاۃ کی سب

کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کے جزائی احکام دیات و قصاص سب معطل ہو گئے۔ تشکیلِ حکومتِ اسلامی کی ضرورت کا اور احکام اسلام کے نفاذ کی ضرورت کا منکر ہے اس نے گویا اسلام کی جامعیت و ہمیشگی کا انکار کر دیا۔

حضرت علی ابنِ ابیطالبؑ کا رویّہ و طریقہ

رسولِ اکرمؐ کے انتقال کے بعد کوئی بھی مسلمان ضرورتِ حکومت کا منکر نہیں تھا۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ ہمیں حکومت کی ضرورت نہیں ہے، تشکیلِ حکومت پر ہر فرد متفق تھا۔ بس اس میں اختلاف تھا کہ حاکم کون ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ خداؐ کے بعد خلفائے ثلاثہ اور حضرت علیؑ کے دور میں حکومت کی تشکیل ہوئی۔ اربابِ دولت تھے، حکومت تھی، احکام کا نفاذ ہوتا تھا۔

قوانینِ اسلام کی ماہیّت و کیفیت

قوانینِ اسلام کی ماہیت و کیفیت خود تشکیلِ حکومت کی دلیل ہے۔ قوانین کی کیفیت خود بتاتی ہے کہ بغیر حکومت و ادارہ سیاسی و اقتصادی ان کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ احکام شرع ایسے قوانین پر حاوی ہیں کہ اُن سے ایک نظامِ اجتماعی کلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس حقوقی نظام میں ضروریات بشر از قسم ہمسایوں سے معاشرت، اولاد و قبیلہ و قوم سے طریقۂ نباہ، ہم شہری اور امورِ خصوصی و زندگی و نکاح سے لے کر جنگ و صلح، بین الملّی روابط تک، قوانینِ جزائی سے لیکر صنعت و تجارت زراعت کے حقوق تک، انجام نکاح و انعقادِ نطفہ کے پہلے سے لے کر موت تک کے

قانون و دستور ہیں۔ اس میں یہ تک ہے کہ نکاح کیسے ہونا چاہیئے۔ اس وقت یا انعقاد نطفہ کے موقع پر انسان کی خوراک کیا ہونی چاہیئے۔ شیر خوارگی کے زمانے کے فرائض کیا ہیں؟ بچہ کی تربیت کیوں کر جائے؛ ان تمام مراحل کے لئے اسلام کے پاس دستور ہے "تاکہ انسان کی تربیت کرے۔ انسانِ کامل و فاضل کے وجود کا سبب بنے ایسا انسان پیدا کرے ____ جو متحرک و مجسّم قانون ہو۔ یہ تمام باتیں بغیر حکومتِ اسلامی کے کیونکر پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتی ہیں۔ انسان اپنے کمال اور سعادت میں جن احکام اور دستورات کا محتاج ہے وہ سب کے سب قرآن مجید اور سنتِ پیغمبر میں موجود ہیں "کتاب کافی میں ایک فصل اس عنوان سے (لوگوں کی تمام ضروریات کتاب و سنت میں بیان کئے گئے ہیں) موجود ہے۔ قرآن تو "تبیان کل شیٔ" یعنی تمام امور کو واضح کرنے والی کتاب ہے۔ حسب روایات امامؑ قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ ملت جن چیزوں کی محتاج ہے، قرآن و سُنت میں وہ سب موجود ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔

دوسری چیز جو حکومتِ اسلامی کی تشکیل کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ یہ ہے اگر ہم احکام شرع کی ماہیت و کیفیت میں دقتِ نظر کے ساتھ غور کریں تو ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ ان احکام کا نفاذ اور ان پر عمل بغیر تشکیلِ حکومت ناممکن ہے۔ احکام الٰہی کے نفاذ کا وظیفہ بغیر ایک عظیم حکومتِ اسلامی کے پورا ہی نہیں کیا جا سکتا۔ میں بعض موارد کا ذکر کرتا ہوں۔ حضرات اہلِ قلم دوسرے موارد کا مراجعہ کریں۔

مالیات: جن مالیات کو اسلام نے مقرر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محض فقرا اور سادات فقیر کے سدّ رمق کے لئے نہیں ہے بلکہ تشکیل حکومت بلکہ ایک عظیم حکومت کے ضروری مصارف کے لئے ہے مثلاً خمس کو ہی لے لیجئے یہ ایک ایسی آمدنی ہے جو بیت المال میں پہنچتی ہے

جو ہمارے مذہب کے لحاظ سے زراعت، تجارت، منابعِ زیرِ زمینی و روئے زمینی و بطورِ کلی تمام منافع سے بطورِ عادلانہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اسمیں مسجد کے دروازے پر سبزی بیچنے والے سے لے کر جہاز چلانے اور کان سے نفع کمانے والوں تک کو شامل کیا گیا ہے۔ تمام لوگوں پر واجب ہے کہ سال بھر کے متعارف خرچ سے جو بچ جائے اس کا پانچواں حصہ حاکمِ اسلام کو دیں تاکہ وہ دولت بیت المال میں پہنچے۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی آمدنی حکومتِ اسلامی کے ادارہ اور اس کی مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ اسلامی حکومتوں یا تمام دنیا کی حکومتوں (اگر سب نظامِ اسلام کے ماتحت ہوں) کا اگر حساب کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس مالی ٹیکس کا مقصد محض سید یا عالمِ دین کی پرورش نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کوئی اور شے ہے اور وہ حکومت کے علاوہ اور کیا ہے؟ اگر اسلامی حکومت کا وجود ہو جائے تو اسی مالیات خمس، زکات۔ البتہ زکوٰۃ زیادہ نہیں ہے۔ جزیہ[1] خراج کے ذریعہ ادا کیا جا سکتا ہے۔ سادات جو خمس کے مستحق ہیں۔ اور تمام حوزہ ہائے علمیہ اور تمام فقرائے مسلمین کے لئے صرف بازارِ بغداد کی آمدنی کا خمس کافی ہے۔ تہران، اسلامبول، قاہرہ کے بازار کی نوبت ہی نہ آنے پائے گی۔ ان تمام آمدنیوں کا مقصد حکومت کی تشکیل کے علاوہ اور کیا ہے؟ یہ ساری آمدنی لوگوں کی بہترین ضروریات اور خدماتِ عمومی کے انجام دہی کے لئے ہے۔ خواہ وہ عمومی خدمت طبی ہو یا فرہنگی۔ دفاعی ہو یا

[1]۔ اہلِ کتاب کی اقلیت جو حکومتِ اسلامی کے زیرِ حمایت ہو ان پر خمس و زکوٰۃ لاگو نہیں ہے اور نہ ملک کی مصلحت دفاع ان پر واجب ہے، مگر چونکہ ملک کے تشکیلات انتظامی رواداری سے مسلمانوں کی طرح یہ بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں اس لئے موصوف اور ان کی آمدنی پر ایک بہت ہی معمولی ٹیکس لازم قرار دیا جاتا ہے۔ اسی کو "جزیہ" کہتے ہیں۔

بالخصوص اگر اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے روپیہ جمع کیا جائے، اسکی حفاظت کی جائے اور اس کو صرف کیا جائے تو خزانہ عمومی پر کسی قسم کا کوئی بار نہ ہوگا۔ اور رئیسِ حکومت والیانِ حکومت "ارکانِ حکومت" کو آمدنی سے استفادہ حاصل کرنے میں عوام پر کوئی ترجیح نہیں ہوگی، بلکہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ کیا اتنی عظیم آمدنی کو دریا میں پھینک دیا جائے؟ یا ظہورِ حجتؑ تک زمین میں دفن کر دیا جائے؟ یا اس لئے ہے کہ اس سے ہر دن پچاس سید کھالیں یا آج کل فرض کیجئے پانچ سو ہزار ایسے سیدوں کو دیا جائے جن کو یہی نہ معلوم ہو کہ اس کو کیا کیا جائے؟

خصوصاً جبکہ ہم جانتے ہیں حقِ سادات و فقراء بس اسی قدر ہے کہ جس سے وہ اپنی زندگی باقی رکھ سکیں، اسلام نے ہر آمدنی کے لئے مخصوص مصرف بھی معین کر دیا ہے ایک صندوق زکوٰۃ کے لئے، ایک خمس کے لئے، ایک صدقات و تبرکات کے لئے مخصوص ہے سادات خمس سے اپنی زندگی بسر کریں اور حدیث میں ہے کہ سادات بھی سال بھر کے مصرف کے بعد خمس کی بچی ہوئی رقم حاکمِ اسلام کے حوالے کر دیں۔ اگر وہ رقم خمس کم پڑ جائے تو حاکم ان کی مدد کرے گا۔

اہلِ ذمہ سے حاصل ہونے والے جزیہ، زراعت کی وسیع زمین سے لئے جانے والے خراج کی آمدنی ہی فوق العادۃ ہے۔ اس قسم کے مالیات کا مقرر کرنا خود بتاتا ہے کہ حاکم و حکومت کا وجود ضروری ہے۔ حاکم و والی کا وظیفہ ہے کہ اہلِ ذمہ کی آمدنی و حالی و مالی استطاعت کا لحاظ کرتے ہوئے افراد پر ٹیکس معین کرے۔ یا ان کے زراعت و مویشی سے مناسب ٹیکس حاصل کرے۔ اسی طرح وسیع و عریض زمینوں پر جو "مال اللہ" ہے اور حکومتِ اسلامی کے تصرف میں ہے اس سے خراج حاصل کرے، ایسا کرنے میں حساب و کتاب تدبیر، منظم تشکیلات کی ضرورت ہوگی۔ بہ تدریج سے انجام پانے والا کام یہ نہیں ہے مقصد یان حکومت کا یہ کام ہے کہ اس قسم کے مالیات مناسب اور اندازے سے حاصل کرے

مسلمانوں کے رفاہِ عام میں خرچ کریں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اسلام کے مالی احکام خود ہی تشکیل حکومت پر دلالت کرتے ہیں کہ نہیں؟ اور ان احکام کا نفاذ بغیر حکومت ناممکن ہے۔

۲۔ احکامِ دفاعِ ملّی

نظامِ اسلام کی حفاظت و سرزمین اسلام کے دفاع کے احکام بھی تشکیلِ حکومت کی ضرورت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً "اعدّوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل" یہ آیت حکم دیتی ہے کہ جتنی بھی ہو دفاعی قوت اس کو بڑھاؤ اگر مسلمان حکومت اسلامی کی تشکیل کرکے اس آیت پر عمل کرکے باقاعدہ جنگی اور شہ سوار ہوتے تو مٹھی بھر یہودی ہماری زمین پر قبضہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہماری مسجدِ اقصیٰ کو خراب کرکے آگ نہیں لگا سکتے تھے اور جلدی سے کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ ہمارے مقابلے پر آجائے، یہ ساری خرابیاں صرف اس وجہ سے ہیں کہ مسلمانوں نے احکامِ خدا کے اجراء میں کوشش نہیں کی۔ اور صالح و لائق حکومت کی تشکیل نہیں دی اگر دولِ اسلامی کے تمام حکمران افرادِ مومنین کے نمائندہ ہوتے اور اجرائے احکامِ اسلام کرتے، جزئی اختلافات کو ختم کر دیتے، تفرقہ اندازی سے الگ ہو کر متحد ہو جاتے اور "ید واحدۃ" ہو جاتے تو انگریز و امریکہ کے پٹھو مٹھی بھر یہودی یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ چاہے امریکہ و انگریز ان کی پشت پناہی بھی کرتے۔ یہ ساری تقصیر ان لوگوں کی ہے جو زبردستی مسلمانوں پر حکومت کر رہے ہیں "واعدوا لھم ما استطعتم الخ" کی آیت ہمیں حکم دیتی ہے کہ حتی الامکان قوی و آمادہ رہنا چاہیئے تاکہ دشمن تمہارے اوپر ظلم و ستم نہ کر سکے۔ ہمارے عدم اتحاد ہی کا نتیجہ ہے جو روز افزوں نت نئے مصائب سے دوچار ہو رہے ہیں۔

۳۔ احکامِ جزائی

دیات۔ جو کہ مجرم کے مالکوں تک پہنچائی جائے۔ حدود و قصاص جن کا اجراء حاکم شرع کے دستور کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس قسم کے احکام بغیر حکومت متحقق نہیں ہو سکتے۔ یہ سارے

امورِ حکومت چاہتے ہیں۔ بغیر حکومت ان امور کی انجام دہی ناممکن ہے۔

انقلابِ سیاسی

دشمنانِ آلِ محمد و بنی اُمیّہ۔ لعنہم اللہ نے حضورِ اکرم کی رحلت کے بعد اسلامی حکومت حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں نہیں آنے دی۔ خدا کی پسندیدہ حکومت کا خارج میں وجود ہی نہ ہو پایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو دگرگوں کر دیا۔ ان کی حکومت کے پروگرام سارے کے سارے حکومتِ اسلامی کے مخالف و مباین تھے۔ بنی عباس و بنی امیہ کی سیاست، طریقۂ حکومت یہ سب قوانینِ اسلام کے مخالف تھے۔ ان کی حکومت سلطنتی و شاہنشاہی تھی ایران، کسرائے روم، فراعنۂ مصر کی حکومت کا نمونہ تھی اور بعد میں بھی یہی صورت رہی جیسا کہ اب ہے۔ عقل و شرع کا فیصلہ ہے کہ ایسی حکومتیں جو غیر اسلامی ہیں ان کو دوام نہ ملنے دیں کیونکہ نظامِ سیاسی غیر اسلامی کا مطلب نظامِ سیاسی اسلام کا تعطل ہے۔ نیز ہر نظامِ سیاسی غیر اسلامی ہمیشہ نظامِ شرک آمیز ہوگا۔ اس کا حاکم طاغوت ہوگا اس لئے ہمارا فریضہ ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے سے شرک کو دور کریں۔

اسی طرح ہمارا فریضہ یہ بھی ہے کہ افرادِ مومن و با فضیلت کی تربیت کریں اور ایسے صالح افراد کا مجتمع ہونا بھی ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ طاغوتی حکومتوں میں ہم ایسا نہیں کر سکتے اس لئے حکومتِ اسلامی کا وجود ضروری ہے طاغوتی حکومت کا لازمہ فساد ہے یہ وہی "فساد فی الارض" ہے جس کا ختم ہونا واجب ہے اور ان فسادیوں کو ان کے اعمال کی سزا ملنی ضروری ہے یہ وہی فساد ہے کہ جس کو فرعون نے اپنی سیاست سے مصر میں ایجاد کیا تھا اور قرآن نے کہا کہ یہ مفسدین میں سے ہے اس معاشرہ و مجتمع میں انسان مومن و متقی و عادل زندگی نہیں بسر کر سکتے اور نہ ہی اپنے ایمان پر باقی رہ سکتے ہیں ان کے سامنے

صرف دو ہی راستے ہیں یا تو مجبوراً شرک آمیز و غیر صالح اعمال کا ارتکاب کریں یا پھر طاغوتی حکومتوں کے اوامر و نواہی کو تسلیم نہ کر کے ان کا مقابلہ کریں۔ ہمارے لئے یہی راستہ ہے۔ حکومت فاسد کو نیست و نابود کر دیں یہ ایک ایسا ذطیفہ ہے جس کے لئے تمام مسلمان ایک ہی وقت میں ایسی حکومتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور سیاسی اسلامی انقلاب کو مضبوط سے مضبوط تر کریں۔

وحدتِ اسلامی

دشمنانِ اسلام نے وطنِ اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسلمانوں کو مختلف حکومتوں میں بانٹ دیا جب عظیم دولتِ عثمانی کا وجود دنیا کے نقشہ پر ابھرا تو ان کو یہ بھی برداشت نہ ہو سکا چنانچہ روس، انگلینڈ اور دوسری تمام استعماری حکومتیں متحد ہو کر دولتِ عثمانی کے مقابل پر آگئیں اور ہر ایک نے ایک ایک حصہ پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ اگرچہ دولتِ عثمانی کے اکثر حکام نالائق تھے اور بعض تو نہایت فاسد و رزیم حکومت کرتے تھے، مگر پھر بھی دشمنانِ اسلام اس حکومت کو برداشت نہ کر سکے کیونکہ ان کو خطرہ تھا کہ کہیں انہیں کے اندر کچھ لائق افراد پیدا ہو کر شیرازۂ ملت کو متحد نہ کر دیں۔ لہٰذا پہلی عالمگیر جنگ متعدد جنگوں کے بعد اس حکومت کے بالشت بالشت بھر کی دس پندرہ حکومتیں کر دیں اور ہر ٹکڑے پر اپنے پٹھو کو حاکم بنا دیا۔ بعد میں کچھ حکومتیں استعماری چنگل سے الگ بھی ہو گئیں۔ ہمارے اوپر شیرازۂ امت اسلامی کو متحد کرنے کے لئے دشمنانِ اسلام کے چنگل سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے ان کی حکومتوں کا قلع قمع کر کے ایک اسلامی حکومت کی تشکیل واجب و لازم ہے۔

جس کی طرف معصومۂ عالم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

"امامت حفظِ نظام کے لئے اور شیرازۂ مسلمین کو متحد کرنے کے لئے ہے۔"

مظلوم و بیکس نفوس کی نجات واجب ہے

استعماری قوتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے خود ہمارے "عمال سیاسی" جو لوگوں پر مسلط ہو گئے ہیں اور لوگوں پر ظالم نظام کو مسلط کر رکھا ہے اور جس کی وجہ سے لوگ دو حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ ظالم و مظلوم۔ ایک طرف تو کروڑوں انسان بھوک سے مر رہے ہیں طبی و فرہنگی سہولتیں بھی ان کے لئے مہیا نہیں ہیں۔ اور دوسری طرف چند طرف مٹھی بھر دولتمند سیاسی اقتدار والے عیاش بیہودہ قسم کے لوگ ہیں۔ بھوکے اور محروم و ستم زدہ لوگ ظالم حکام سے اپنے کو بچانے کی فکر میں ہیں تاکہ سکھ کی روٹی کھا سکیں۔ لیکن مٹھی بھر دولتمند ظالم یہ بھی نہیں کرنے دیتے اس لئے ہمارا فریضہ ہے کہ مظلوموں کو نجات دلائیں۔ ان کی پشت پناہی کریں اور ظالموں کے دشمن ہوں (اور یہ سب بغیر اسلامی حکومت کے ناممکن ہے) حضرت امیرؑ حسنینؑ کو اسی وظیفے کی وصیت فرماتے ہیں۔ "نورِ چشمو! تم دونوں ہمیشہ ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار رہنا۔"

علمائے اسلام کا فریضہ ہے کہ ظالموں سے مقابلہ کریں، مسلمانوں کو بھوک اور محرومیت سے بچائیں۔ ظالم و ستمگر اور حرام خور، نازو نعمت میں زندگی نہ بسر کرنے پائیں۔ مولائے کائنات فرماتے ہیں "میں نے حکومت کو صرف اس لئے قبول کیا ہے کہ خداوند عالم نے علماء سے عہد و پیمان لے لیا ہے کہ ستمگروں کی ستمگری اور مظلوموں کی محرومیت پر ہاتھ رکھ کے نہ بیٹھے رہیں۔

اما والذی خلق الجنۃ و برأ النسمۃ لولا حضور الحاضر وقیام الحجۃ بوجود الناصر وما اخذ اللہ علی العلماء ان لا یقارّوا علی کظۃ ظالم ولا سغب مظلوم لالقیت حبلها علی غاربها

ولسقیت آخرھا بکاس اولھا ولالفیتم دنیاکم ھذہ ازھد عندی من عفطۃ عنز۔ اس خدا کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور انسان کو پیدا کیا۔ اگر بیعت کرنے والوں کا وجود اور مددگاروں کی موجودگی سے قیام دلیل نہ ہو گئی ہوتی اور خدا نے علماء سے جو عہد لیا ہے کہ ظالموں کی غارت گری اور پرخوری پر اور مظلوموں کی بھوک و گرسنگی پر خاموش نہ رہیں (اگر یہ سب باتیں نہ ہوتیں) تو میں زمام حکومت کو چھوڑ دیتا۔ اور تم دیکھتے کہ تمہاری یہ دنیا بھیڑ کے چھینکنے کے وقت جو کثافت اس کی ناک سے نکلتی ہے، اس سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوتی۔

لہٰذا: آج ہم کیونکر بیٹھ سکتے ہیں؟ اور ہم کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ چند خائن و حرام خور، دشمنانِ اسلام کے پٹھو، دوسروں کے بل بوتے پر نیزے کے زور سے سینکڑوں بلکہ ملیونوں مسلمانوں کے حقوق کو غصب کر لیں اور ان کو اپنی نعمتوں سے فائدہ نہ حاصل کرنے دیں۔ علماء اسلام اور تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اس نظام کو بدل لیں اور ظالم حکومتوں کو نیست و نابود کر کے حکومتِ اسلامی کی تشکیل کریں۔

حکومتِ اسلامی حدیث کی روشنی میں

عقل، احکام اسلام کی ضرورت، رسولِ اکرمؐ اور حضرت امیرؑ کا رویہ اور آیات و حدیث کے مفاد سے حکومتِ اسلامی کی تشکیل واجب و لازم ہے۔ بطور نمونہ ایک روایت امام رضاؑ سے نقل کرتا ہوں۔ عربی عبارت کو چھوڑ کر صرف اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اصل حدیث علل الشرائع ۱/۱۸۳، حدیث ۹ میں ملاحظہ ہو۔ ترجمہ

حدیث کا پہلا حصہ نبوت سے متعلق ہے جو ہمارے محلِ بحث سے خارج ہے اس لئے اس کو خارج کر دیا ہے۔ حدیث کا آخری حصہ ہمارے مطلب کے لئے مفید ہے اس لئے اس کا تذکرہ

کرتا ہوں۔ "اگر کوئی پوچھے کہ خدا نے "اولی الامر" کیوں معین فرمایا؟ جن کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ اس کا جواب یوں دینا چاہئیے کہ بہت سی حکمتوں اور دلیلوں کے پیش نظر خدا نے ایسا کیا ہے ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ لوگوں کو ایک طریقہ کا پابند کر دیا گیا ہے اور یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اس کے حدود و قوانین سے آگے نہ بڑھیں ورنہ مبتلائے فساد ہوں گے اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک فرد (یا قدرت) ان کے لئے امین و پاسبان نہ ہو، جس کا فریضہ ہو کہ لوگوں کو ان کے حقوق سے آگے نہ بڑھنے دے۔ دوسروں کے حقوق پر کوئی ظلم و تعدی نہ کر سکے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو لوگ اپنی لذت و منفعت کے حصول کے لئے دوسروں پر ظلم سے باز نہیں آئیں گے۔ ایک دلیل یہ بھی کہ دنیا کے مختلف فرقوں اور مذہبوں میں کسی بھی ملت، یا مذہب یا فرقہ کا وجود بغیر رئیس کے ممکن نہیں ہوا ہے (اس لئے مسلمانوں میں بھی ایک حاکم و رئیس ہونا چاہیئے) کیونکہ دین و دنیا کے امور میں ایسے شخص کا وجود ضروری ہے اسی لئے خداوند عالم کی حکمت میں یہ بات ناجائز ہے کہ اپنے بندوں کو بغیر رہبر و سرپرست کے چھوڑ دے۔ کیونکہ خدا جانتا ہے کہ مخلوق کے لئے ایسا رہبر ہونا ضروری ہے جو دشمنوں سے جنگ کر کے آمدنی کو ان کے درمیان تقسیم کرے۔ ان کے لئے جمعہ و جماعت قائم کرے مظلوموں کے دامن تک ظالموں کے ہاتھوں کو نہ پہنچنے دے۔ علاوہ بریں اگر مخلوق کے لئے امام، امین، رہبر اور حافظ معین نہ کرے تو ملت کہنہ ہو جائے، دین برباد ہو جائے سنت اور اس کے احکام متغیر ہو جائیں۔ بدعتی لوگ دین میں اضافہ کر دیں، ملحدین کمی کر دیں۔ اور اس طرح کر دیں کہ دین مسلمانوں پر مشتبہ ہو کر رہ جائیں کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں لوگ ناقص ہیں، کمال کے محتاج ہیں، اس کے علاوہ آپس میں اختلافات رکھتے ہیں، ان کے حالات، ان کی خواہشیں الگ الگ ہیں۔ لہٰذا خدا اگر لوگوں کے لئے قیّم اور دین کا محافظ معین نہ کرتا تو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لوگ فساد میں مبتلا ہو جاتے، شریعتیں، سنن، احکام، ایمان سب میں تغیر ہو جاتا اور اس میں پوری مخلوق کا فساد ہی فساد ہوتا۔

حضرت کے بیان سے "ولی امر" کی تقرری اور تشکیلِ حکومت کا ضروری ہونا متعدد دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے اور یہ علتیں اور دلیلیں کسی زمانے سے مخصوص نہیں ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تشکیلِ حکومت دائمی ہے۔ مثلاً لوگوں کا حدودِ اسلام سے تجاوز کرنا، دوسروں کے حقوق کو غصب کرنا، اپنے نفع کے لئے دوسروں کے لئے نقصان کا لحاظ نہ کرنا، یہ باتیں دائمی ہیں، لہٰذا حکومت بھی دائمی ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ باتیں حضرت علیؑ کے دور میں تھیں۔ اس کے بعد لوگ "ملک" ہو گئے، معصوم ہو گئے۔ اب ولی امر کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ لوگ عادلانہ زندگی بسر کریں۔ احکام الٰہی کے پابند رہیں۔ اور یہ حکمت دائمی اور خدا کی اُن سنتوں میں سے ہے جو ناقابلِ تغیر ہیں لہٰذا آج اور ہمیشہ ولی امر کا ہونا لازمی و ضروری ہے یعنی ایسا حاکم جو نظم و قوانینِ اسلام کو برقرار رکھے۔ دوسروں کے حقوق پر ظلم و تعدی نہ کرنے دے خلقِ خدا کا امانت دار و پاسدار ہو لوگوں کو عقائد و احکامات و نظامِ اسلام کی تعلیم دیتا ہو، دشمنانِ دین، دین کے نظام و قوانین میں جو خلل اندازی کرنا چاہیں، اس سے دین کو محفوظ رکھتا ہو۔ کیا حضرت علیؑ کی خلافت ان ہی ضرورتوں کے لئے نہیں تھی؟ جن وجوہ کی بنا پر اس وقت امام و خلیفہ کا تعین ضروری تھا، ان ہی وجوہ کی بنا پر آج بھی ضروری ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ آج کوئی معین شخص نہیں ہے بلکہ جو بھی ایسا ہو گا اس کو حاکم بنانا ضروری ہے۔ اس لئے اگر احکامِ اسلام کو باقی رہنا ہے، ظالم مظلوم کے حق پر ڈاکہ نہ ڈال سکیں، ظالم حکومتیں اپنی لذتِ مادی و نفع کی خاطر لوگوں کو غارت و برباد نہ کر سکیں۔ اگر نظامِ اسلام برقرار رہے، تمام لوگ عادلانہ زندگی بسر کر سکیں۔ بدعت و خلافِ اسلام احکام ترویج نہ پا سکیں، اسلامی حکومتوں میں اجنبی دخل نہ دے سکیں تو بغیر حکومت کے یہ سب ناممکن ہے لیکن حکومت بھی صالح ہو ورنہ وہ بیکار ہو گی جیسے موجودہ حکومت کرنے والے تو نہایت ناکارہ و نااہل ہیں۔ یہ ہمارے لئے مفید مطلب نہیں ہیں۔

خلفا جانے ہمیں اس میں تشکیلِ حکومت کی کوشش نہیں کی گئی اجتماعی طور پر خائن

فاسد و فاسق حکام کا بائیکاٹ نہیں کیا۔ بلکہ بعضوں نے سُست روی اختیار کی۔ حد ہے کہ نہ صرف اسلامی نظریات کی تبلیغ و ترویج سے چشم پوشی کی گئی بلکہ برعکس ظالم حاکموں کیلئے دعائیں کی گئیں انکی مدد کی گئی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کا اثر و نفوذ کم ہوا، ملت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، احکامِ اسلامی معطل ہو گئے، ان میں تغیر و تبدل کر دیا گیا۔ استعمار گروں نے اپنی منحوس اغراض کیلئے اپنے سیاسی عمال کے ذریعے خارجی اجنبی فرنگی و امریکائی قوانین کو مسلمانوں کی گردنوں پر لاد دیا، لوگوں کو مغرب زدہ کر دیا یہ صرف اس لئے ہوا کہ ہمارے پاس کوئی حاکم و مدبر نہیں تھا میرا مطلب اسلامی حکومت سے ہے وہ نہیں تھی ورنہ آج یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔

حکومتِ اسلامی کا طریقہ

موجودہ طرز کی حکومتوں سے اسلامی حکومتوں کا طرز جُدا ہے۔ اسلامی حکومت کا طریقہ نہ تو استبدادی ہوتا ہے جس میں رئیسِ دولت مستقل و خود رائے ہوتا ہے لوگوں کے جان و مال کی بازی لگا دیتا ہے، جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے جس کو چاہے قتل کر دے جس کو چاہے انعام و اکرام سے نوازے جس کو چاہے جاگیر دے دے ملک و مالِ ملت جس کو چاہے بخش دے اس قسم کے اختیارات تو رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ کو بھی نہیں تھے اور حکومتِ اسلامیہ مطلقہ بھی نہیں ہے بلکہ مشروطہ ہے، لیکن مشروطہ کے جو عقلاً معنی متعارف ہیں، ان معنی سے مشروطہ نہیں ہے کہ جس میں قانون اکثریت کی رائے کا تابع ہوا کرتا ہے بلکہ مشروطہ سے مراد یہ ہے کہ حکومت کرنے والے افراد قرآن و حدیث کے شرائط کے پابند ہونگے یعنی قوانینِ اسلام کے پابند ہوں۔ اس لحاظ سے حکومتِ اسلامی درحقیقت لوگوں پر الٰہی حکومت کا نام ہے۔ اسلامی حکومت اور مشروطہ سلطنتی و جمہوری میں یہ بنیادی فرق ہے کہ لوگوں کے یا بادشاہ کے نمائندے قانون بناتے ہیں اور اسلام میں وضعِ قانون کا حق صرف خداوندِ عالم کو ہے۔ تنہا شارعِ مقدس حقِ وضعِ قانون رکھتے ہیں کسی اور کو یہ حق نہیں ہے

اور نہ کوئی قانون حکم شارع کے بغیر نافذ العمل ہو سکتا ہے۔

اسلام کے سارے قوانین مسلمانوں کے پسندیدہ ہیں اور مسلمان اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حکومت کے کام آسان ہیں برخلاف مشروطہ سلطنتی یا جمہوری حکومتوں کے کہ ان حکومتوں کے نمائندے اکثر اپنی من پسند چیز کو بنام قانون لوگوں پر نافذ کر دیتے ہیں۔

اسلام کی حکومت درحقیقت قانون کی حکومت ہے۔ اس حکومت میں حاکمیت کا انحصار خدا پر ہے۔ خدا کا حکم تمام افراد اور تمام حکومتوں پر یکساں لاگو ہے۔ تمام افراد حضور اکرمؐ سے لے کر حکمران کے خلفاء تک سب کے سب ابد تک قانون کے تابع ہیں۔ یہ وہی قانون ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوا اور نبی کی زبان سے بیان ہوا۔ اگر رسول خلیفۃ اللہ بنے تو بھی حکم خدا سے بنے نہ خود سے مسلمانوں کے رئیس بنے اور نہ ہی کوئی حکومت تشکیل دی۔ اسی طرح چونکہ لوگ "تازہ تازہ ایمان لائے تھے اور احتمال تھا کہ امت میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے اس لئے خدا نے اپنے رسولؐ پر وحی نازل فرمائی۔" اسی وسط بیابان میں امر خلافت کا اعلان کر دیجئے" لہٰذا رسولؐ نے بھی قانون کی پیروی کرتے ہوئے (نہ یہ کہ علیؑ رسولؐ کے داماد تھے) حضرت علیؑ کو خلیفہ نامزد کر دیا۔ بلکہ علیؑ کی خدمات بھی پیش نظر نہیں تھیں، صرف حکم الٰہی کی پابندی تھی۔

اسلام میں حکومت کا مفہوم قرآن کی پیروی ہے۔ تمام معاشرہ پر صرف قانون کی حکمرانی ہے۔ رسول اکرمؐ یا آپ کے نائبین کو جو اختیارات دیئے گئے تھے وہ بھی خدا ہی کی طرف سے تھے۔ حضور جب بھی کوئی مطلب یا حکم بیان کرتے تھے وہ قانون الٰہی کی پیروی ہوتی تھی۔ ایسا قانون کہ بلا استثناء سب پر لاگو تھا۔ حکم الٰہی حاکم و محکوم کے لئے برابر ہے۔ تنہا وہ حکم یا قانون جو لوگوں پر واجب العمل ہے وہ خدا کا قانون ہے۔ رسول اکرمؐ کی پیروی حکم خدا کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے — اطیعوا الرسول۔ پیغمبرؐ کی اطاعت کرو۔ اسی طرح اولو الامر کی پیروی بھی بحکم خدا ہے۔ ارشاد ہے۔ اطیعوا ... واولی الامر منکم۔ لوگوں کی رائے کا کیا سوال ہے۔ خود حضور کی رائے حکومت و قانون الٰہی میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔

سب ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں۔ اسلامی حکومت کوئی سلطنتی نہیں ہے چہ جائیکہ وامپریٹ شاہی کو اس میں کوئی دخل ہو۔ شاہی میں لوگ ان کے جان و مال پر مسلط ہوتے ہیں اور خودسر ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس قسم کا کوئی اختیار نہیں ہے اسی لئے اسلامی حکومت میں برخلاف شاہی وامپریٹ شاہی حکومتوں کے۔ بلند و بالا محل، شاندار عمارتیں، خشم و خدم، دفتر مخصوص، دفتر ولیعہد اور دیگر سلطنت کے لوازم جن پر حکومت کے کل خرچ کا آدھا یا اس سے بھی زیادہ صرف ہوجاتا ہے ایسی چیزیں نہیں ہیں۔ رسول خدا کی زندگی — جو حکومت اسلامی کے رئیس تھے۔ سب کو معلوم ہے آپ کے بعد بنی امیہ کا دور دورہ شروع ہونے تک یہی صورت حال تھی۔ پہلے دو خلیفاؤں نے اپنی شخصی ظاہری زندگی میں حضور اکرمؐ کی سیرت کو اپنایا تھا۔ اگرچہ دوسرے بہت سے معاملات میں حضورؐ کی مخالفت کی تھی جس کا نتیجہ عثمان کے زمانے میں ظاہر ہوا۔ جیسا کہ آج کل ہم لوگ مبتلا ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنے دور حکومت میں پھر اصلاح فرمائی۔ اور حکومت کا اسلوب دوبارہ صالح ہو گیا۔ حضرت علیؑ۔ جو ایران، مصر، حجاز، یمن وغیرہ پر حکومت کرتے تھے۔ کی زندگی ایسی تھی کہ آج کوئی فقیر سے فقیر طالب علم بھی ایسی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ایک مرتبہ آپ نے دو کرتے خریدے۔ اچھے دام والا اپنے غلام قنبر کو دے دیا اور دوسرا پیراہن جس کی آستینیں بہت لمبی تھیں اس کو اپنے لئے رکھ لیا۔ آستین کا فاضل حصہ پھاڑ کر اسی پھٹے ہوئے پیراہن کو زیب تن فرمایا۔ حالانکہ اتنی عظیم سلطنت کے مالک تھے۔

اگر یہی انداز حکومت باقی رہتا تو لوگوں کے جان و مال پر کسی کا تسلط نہ ہوتا۔ سلطنت و شاہنشاہی اس قسم کے مظالم نہیں کر سکتی تھی، خزانۂ عمومی کو میراث پدر نہ سمجھا جاتا۔ فحشاء و منکرات کا وجود نہ ہوتا۔ زیادہ تر مفاسد حکام کی بے راہ روی کا نتیجہ ہیں یہی لوگ ہیں جو فساد کی جگہیں تعمیر کرتے ہیں، شراب خانے، برائیوں کے مرکز بناتے ہیں۔ مال وقف کو بیجا خرچ کرتے ہیں۔ اگر اس قسم کے بیہودہ تشریفات اور سلطنت کے پر تکلف اخراجات نہ ہوتے تو خزانۂ عامرہ میں کوئی کمی نہ ہوتی اور نہ انگریز و امریکہ کے سامنے سر جھکا کر قرض کا ہاتھ پھیلانا

کے انتقال کے بعد خلیفہ میں اختلاف ہونے کے باوجود اس میں کوئی اختلاف نہیں تھا کہ خلیفہ کو لائق و فاضل ہونا چاہیئے، اختلاف صرف اس میں تھا کہ کون خلیفہ ہو؟

۱۔ اسلامی حکومت چونکہ قانون کی حکومت ہے اس لئے حاکم اعلیٰ کو قوانین کا عالم ہونا ضروری ہے اور روایت میں بھی یہی ہے۔ بلکہ حاکم اعلیٰ ہی پر کیا منحصر ہے ہر عہدہ دار کو عالم ہونا چاہیئے پس حاکم اعلیٰ کو علم کے لحاظ سے فضیلت ہونی چاہیئے ہمارے ائمہ نے اپنے استحقاقِ امامت کے لئے یہی دلیل دی ہے کہ امام کو دوسروں سے افضل ہونا چاہیئے۔ علمائے شیعہ نے بھی دوسروں پر یہی اعتراضات کئے ہیں کہ خلیفہ سے فلاں بات پوچھی گئی وہ جواب نہ دے سکے لہٰذا ان میں خلیفہ ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ فلاں کام خلاف اسلام انجام دیا۔ لہٰذا لائق خلافت و امامت نہیں ہے اور فلاں فلاں.... مسلمانوں کی نظر میں قانون دانی و عدالت شرط بنیادی رکن ہے۔ کوئی دوسری شے اس میں دخیل نہیں ہے۔ مثلاً ملائکہ کی حقیقت کیا ہے؟ خدا کے صفات کیا ہیں ان کو موضوعِ امامت میں کوئی دخل نہیں ہے مثلاً اگر کوئی تمام علوم طبیعی کو حاصل کرے۔ طبیعت کی تمام قوتوں کا انکشاف کر دے علم موسیقی میں مہارت تامہ رکھتا ہو تو اس وجہ سے وہ خلیفہ نہیں ہو جائے گا۔ اور نہ اس وجہ سے ان لوگوں پر جو عالم قانون و عادل ہیں۔ تقدم حکومت کے لئے اس میں اولویت پیدا ہو جائیگی جو چیزیں خلافت سے مربوط ہیں اور رسول اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کے دور میں ان پر بحث ہو چکی ہے اور مسلمانوں کے درمیان مسلم ہیں وہ یہ ہیں کہ حاکم و خلیفہ کو پہلے تو قانون دان ہونا چاہیئے اور پھر عادل ہونا چاہیئے اعتقادی و اخلاقی کمال بھی رکھتا ہو عقلاً بس یہی ضروری ہے کیونکہ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے وہ خودسری یا چند اشخاص کی لوگوں پر حکومت کا نام نہیں ہے اگر حاکم اعلیٰ قانونی باتوں کو نہیں جانتا تو حکومت کا اہل نہیں ہے کیونکہ اگر تقلید کرتا ہے تو حکومت میں

پڑتا۔ اور امانت کے نام سے بھیک مانگنا پڑتی۔ سلطنت ان ہی اسباب کی بنا پر محتاج ہو گئی ہے۔ ورنہ ہمارا تیل و پٹرول کم نہ تھا اور نہ ایسا ہے کہ ہمارے پاس ذخیرے اور معادن نہ ہوں ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن مفت خوری اور بیجا اخراجات نے مملکت کو بے چارہ بنا دیا اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو رئیس امریکہ کے سامنے سر جھکا کر بھیک نہ مانگنا پڑتا۔

اس کے علاوہ ضرورت سے زیادہ تشکیلاتِ اداری اور کاغذ ذخیرہ کا خرچ اتنا ہے کہ اسلام سے بالکل الگ چیز ہے۔ اس قسم کے اخراجات کا بار حکومت پر ہی ہوتا ہے جتنا حرام چیزوں پر ہوتا ہے۔ اس سسٹم کا اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بیکار قسم کی تشریفات لوگوں کے لئے سوائے خرچ و زحمت و معطلی کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ اسلام سے اس کا کوئی واسطہ ہے۔ مثلاً اسلام نے اثباتِ حقوق، لڑائی جھگڑے کے فیصلے، حدود کا جاری کرنا اور اس طرح کے دوسرے امور کے لئے جو قوانین وضع کئے ہیں۔ وہ بہت سادہ، عملی اور جلد انجام پانے والے ہیں جس زمانے میں شرعی عدالتیں قائم تھیں، قاضی ایک شہر کے اندر دو ایک آدمیوں کے ساتھ اور قلم و دوات کے ساتھ تمام معاملات کو فیصل کر دیا کرتے تھے اور لوگ اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے۔ لیکن آج کل کی عدالتیں پناہ بخدا! ان کے تشکیلات و تشریفات اتنے ہیں کہ خدا ہی جانے اور اس بلا سے بچائے۔ یہی چیزیں مملکت کو محتاج کرتی ہیں اور سوائے زحمت و معطلی کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

رئیسِ حکومت کے شرائط

حاکم کے لئے جو شرائط ضروری ہیں ان میں شرائط عامہ (مثلاً عقل و تدبیر وغیرہ) سے قطع نظر کرتے ہوئے دو بنیادی شرطیں۔ ۱۔ قانون کا علم ۲۔ عدالت حضور اکرم

اضمحلال ہوتا ہے، نہیں کرتا ہے تو قانون کو نافذ نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ الفقہاء حکام علی السلاطین۔ فقہاء بادشاہوں پر حاکم ہیں۔ سلاطین اگر اسلام کے پابند ہوں تو فقہا کی پیروی کرنا پڑے گی۔ اور احکامِ اسلام کو فقہاء سے پوچھنا پڑے گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ رسمی طور پر حکومت فقہاء ہی سے متعلق ہو۔ نہ ان لوگوں سے جو اپنی جہالت کی وجہ سے فقہا کے تابع ہیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر منصب دار، سرحد کا نگران، حکومت میں کام کرنے والے سب کے سب تمام قوانین اسلام کو جانتے ہوں اور فقیہ و مجتہد ہوں بلکہ جو عہدہ اُن سے متعلق ہے اس کے بارے ہی معلومات رکھتے ہوں۔ رسولِ خدا اور حضرت علی کے زمانہ میں ایسا ہی تھا۔ حاکمِ اعلیٰ تو ان دونوں صفات کا حامل ہو لیکن ذمہ دار اپنے متعلقہ عہدہ کے بارے میں معلومات رکھتے ہوں۔

۲۔ حاکمِ اعلیٰ کو کمالِ اعتقادی و اخلاقی پر فائز اور عادل ہونا چاہیئے اس کا دامن آلودۂ عصیاں نہ ہو حد جاری کرنے والے، بیت المال کے متصدی، مملکت کے آمد و خرچ کا متصدی، خدا کی مخلوق پر حکومت کرنے والے کو معصیت کار نہیں ہونا چاہیئے۔ لا ینال عہدی الظالمین خدا ظالم کو ایسے اختیار نہیں دیتا۔ حاکمِ اعلیٰ اگر عادل نہ ہوگا تو مسلمانوں کے حقوق دینے، مالیات کو لے کر صرف کرنے، قانونِ جزا کے جاری کرنے میں انصاف سے کام نہیں لے گا۔ اور ممکن ہے کہ یار دوست اور قرابت داروں کو معاشرہ پر حاکم بنائے اور بیت المال کو اپنی ہوس رانی اور اغراضِ شخصی پر صرف کر ڈالے۔ لہٰذا حاکمِ اعلیٰ کا عادل ہونا ضروری ہے۔

اسی لئے طرزِ حکومت اور حاکم کے سلسلے میں پیغمبر کے انتقال کے بعد زمانِ غیبت تک شیعوں کا نظریہ بہت ہی واضح ہے۔ شیعوں کی بنا پر امام کو فضل،

عادل احکام و قوانین کا عالم اور ان کے اجراء میں عادل ہونا چاہیئے۔

زمانِ غیبت میں حاکمِ اعلیٰ کے شرائط

آج کل یعنی زمانِ غیبت میں چونکہ اسلام کے حکومتی احکام باقی ہیں اور ہرج و مرج جائز نہیں ہے، لہٰذا حکومت کی تشکیل ضروری ہے۔ عقل بھی اس کو ضروری سمجھتی ہے تاکہ حملہ آوروں کا دفاع کر سکیں۔ نوامیسِ مسلمین پر حملہ آور ہونے کا مقابلہ کر سکیں۔ شرعِ مقدس نے بھی حکم دیا ہے جن لوگوں سے تجاوز کا خطرہ ہو ان کیلئے اپنے کو ہمیشہ آمادہ رکھو۔ افراد جو ایک دوسرے پر ظلم و تعدی کرتے ہیں، اس کے روکنے کے لئے بھی حکومت کا ہونا ضروری ہے چونکہ یہ چیزیں خود بخود تو انجام پا نہیں سکتیں، لہٰذا ان کیلئے تشکیلِ حکومت ضروری ہے۔ لیکن تشکیلِ حکومت مالیات چاہتی ہے۔ اس لئے شارعِ مقدس نے خراج، خمس، زکواۃ... جیسی چیزوں کو معین کر دیا ہے۔

ابھی تک خدا کی طرف سے حکومت کو چلانے کے لئے زمانِ غیبت میں کسی کو متعین نہیں کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں ہماری تکلیف کیا ہے؟ اسلام کو چھوڑ دیں؟ اب اسلام کی ضرورت نہیں ہے؟ اسلام صرف دو سو سال کے لئے تھا؟ یا یہ کہ اسلام نے تکلیف معین کر دی ہے۔ لیکن ہم تکلیفِ حکومتی نہیں رکھتے؟ آخر کیا ہے؟

حکومت کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام سرحدیں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں اور ہم بیچارگی کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں کہ وہ لوگ جو چاہیں کریں۔ اور اگر ان کے کاموں میں تائید نہ کر سکیں تو تردید بھی نہ کریں کیا ایسا ہی ہونا چاہیئے؟ یا یہ کہ ہم کو تشکیلِ حکومت کرنی چاہیئے۔ اگر خدا نے زمانِ غیبت کے لئے کسی کو معین نہیں کیا ہے تو وہ حکومتی خاصیت جو زمانِ پیغمبر سے زمانِ حضرت حجت تک تھی وہ تو برقرار ہے یعنی

قانون دانی اور عدالت یہ خاصیت ہمارے دور کے بہت سے فقہا میں موجود ہے، اگر یہ حضرات باہم اجتماع کریں تو ایک عادل حکومت کی تشکیل کر سکتے ہیں۔

ولایتِ فقیہ

اگر کوئی شخص جس میں قانون دانی و عدالت کی صفتیں پائی جائیں تشکیلِ حکومت کرے تو ادارۂ معاشرہ کے لئے جو ولایت رسولؐ کے پاس تھی اُسی ولایت کا یہ شخص بھی حامل ہوگا۔ اور تمام لوگوں پر اس کی اطاعت واجب و لازم ہوگی۔ یہ خیال کہ حکومتی اختیارات حضور اکرمؐ کو حضرت علیؑ سے زیادہ تھے یا حکومتی اختیارات حضرت علیؑ کے فقیہ سے زیادہ ہیں ــ باطل و غلط ہے۔ البتہ رسولِ خدا کے فضائل سب سے زیادہ ہیں۔ لیکن فضائلِ معنوی کی زیادتی حکومتی اختیارات کے افزائش کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ تعیین حاکم و استاندار، تیاری سپاہ، مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرنے کی ولایت و اختیارات جو حضور اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کو تھے وہی اختیارات خدا نے حکومتِ فعلی کو دے دیئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کوئی شخص معین نہیں ہے۔ میری مُراد عالم عادل ہے۔

ولایتِ اعتباری

رسولِ خُدا اور ائمہ جس ولایت کے مالک تھے غیبت کے بعد فقیہ عادل اسی ولایت کا مالک ہے۔ اس جملے سے کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ جو مقام ائمہ معصومین کا ہے وہی مقام فقیہ عادل کا ہے۔ کیونکہ مقام و منزلت سے بحث نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ وظیفہ و عہدہ سے بحث ہے۔ ولایت ــ یعنی تمام دنیا پر حکومت اور شرع مقدس کے قوانین کا جاری کرنا۔ ایک سنگین اور اہم ترین وظیفہ ہے۔ نہ یہ کہ یہ عہدہ پانے والا کسی غیر عادی مقام و منزلت کا دارا ہو جاتا ہے اور انسان عادی

سے بلند تر ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ عام لوگوں کے تصورات کے برخلاف ولایت وجہ امتیاز نہیں ہے۔ بلکہ یہ عظیم عہدہ ہے۔ ولایتِ فقیہ امورِ اعتباری عقلائی میں سے ہے۔ سوائے جعل۔ متعین کرنا۔ اور کوئی واقعیت نہیں رکھتی ـ جیسے نابالغ بچوں پر کسی نگراں کا معین کرنا (یہی ولایت مراد ہے (مترجم)، ملت قیم (نگراں) اور نابالغ کے قیّم میں وظیفہ و عہدہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

مثلاً امام کسی کو کسی کی تربیت کے لئے یا کسی کو کسی حکومت یا کسی منصب کے لئے معین فرمادیں تو اس میں رسولؐ و امامؑ و فقیہ میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی فقیہ بھی یہ کام کر سکتا ہے مثلاً منجملہ دیگر امور کے فقیہ حد جاری کر سکتا ہے۔ پس کیا حد جاری کرنے میں رسولؐ و امام و فقیہ میں کوئی فرق ہے؟ یا چونکہ فقیہ کا مرتبہ امام سے کم ہے لہٰذا کم کوڑے لگوائے۔؟ زنا کی حد سو تازیانہ ہے۔ اب پیغمبرؐ ڈیڑھ سو اور حضرت علیؑ سو اور فقیہ پچاس ہی تازیانے لگوائے؟ یا یہ مقصد ہے کہ حاکم قوۂ اجرائیہ کا متصدی ہوتا ہے۔ اس لئے چاہے وہ رسولؐ ہوں یا حضرت علیؑ یا کوفہ و بصرہ میں کوئی قاضی یا حضرت کا نمائندہ یا فقیہ عصر سب ہی خدا کی متعین کردہ حد نافذ کر سکتے ہیں۔ فقیہ کا امامؑ و رسولؐ کے برابر ہونے کا یہی مطلب ہے اس سے زیادہ نہیں۔

دوسری مثال:۔ رسولِ خداؐ اور حضرت علیؑ کا کام اخذِ مالیات (یعنی خمس، زکوٰۃ خراج والی زمینوں سے خراج لینا ہی تھا۔ اب رسولؐ کتنی زکوٰۃ لیں؟ مثلاً ایک جگہ سے دسواں اور دوسری اور دوسری جگہ سے بیسواں حصہ لیں۔؟ حضرت امیرؑ خلیفہ ہو کر کیا لینگے جناب عالی! اگر فقیہ نافذ الکلمہ ہو گئے تو کیا کریں گے؟ کیا یہاں پر رسولِ خدا، حضرت امیرؑ فقیہ عادل کی ولایت میں فرق ہے؟ ہرگز نہیں۔ خداوند عالم نے حضرت رسولؐ کو تمام مسلمانوں پر "ولی" بلکہ زندگی بھر حضرت امیرؑ پر بھی "ولی" قرار دیا تھا رسولِ خدا کے بعد امام تمام مسلمانوں پر بلکہ اپنے بعد والے امام پر بھی ولایت رکھتا ہے۔ یعنی اس کے حکومتی

اولامر سب پر نافذ ہیں۔ وہ قاضی و والی کو معین کر سکتا ہے، معزول کر سکتا ہے۔ یہی ولایت جو رسولِ خداؐ اور ائمہ کو تشکیلِ حکومت کیلئے ہے، فقیہِ عادل کیلئے بھی ہے۔ لیکن فقہا اس معنی سے "ولی مطلق" نہیں ہیں کہ اپنے زمانے کے تمام فقہاء پر ولایت رکھتے ہوں اور دوسرے فقہا کو عزل و نصب کر سکتے ہوں (یہ حق فقیہِ عادل کو نہیں ہے) یہاں مراتب و درجات نہیں ہیں کہ ایک بالاتر مرتبہ پر فائز ہے اور دوسرا پست ترین مرتبہ پر فائز ہے۔ ایک والی ہے دوسرا والی تر ہے۔

اس وضاحت کے بعد فقہاء پر لازم ہے کہ اجتماعاً یا انفراداً سرحدوں کی حفاظت حدود کے اجراء کے لئے شرعی حکومت کی تشکیل کریں۔ اگر کسی کے لئے ایسا کرنا ممکن ہو تو اس پر واجب عینی ہے ورنہ واجب کفائی ہے۔ عدم امکان کی صورت میں ولایت ساقط نہیں ہوتی کیونکہ یہ حضرات خدا کی طرف سے منصوب ہیں۔ اگر زکاۃ، خمس، خراج و دیگر مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں صرف کر سکتے ہوں تو ایسا کرنا چاہیئے حتیٰ کہ حد بھی جاری کرنی چاہیئے ایسا نہیں کہ اگر ابھی حکومتِ عمومی کی تشکیل نہیں کر سکتے تو کنارے ہو جائیں بلکہ مسلمان جن امور کے محتاج ہیں اور حکومتِ اسلامی اس کی عہدہ دار ہے اسکے لئے فقہاء جتنا بھی کر سکتے ہوں اتنا انجام دینا چاہیئے۔

ولایتِ تکوینی

امام کے لئے ولایت و حکومت کے اثبات کا لازمہ نہیں ہے کہ امامؑ مقام معنوی نہ رکھتے ہوں۔ امامؑ کے لئے حکومت سے قطع نظر مقام معنوی بھی ہے جس کو زبانِ ائمہ میں کبھی خلافتِ کلی الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام کے لئے خلافت "تکوینی" ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا کا ہر ذرہ ان کا تابع فرمان ہے۔ ہمارے ضروریات مذہب میں یہ

بات داخل ہے کہ کوئی بھی ائمہ کے مقام معنویت تک نہیں پہنچ سکتا۔ چاہے وہ ملک مقرب یا نبی مرسل ہو۔ وہ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اصولاً بنا بر روایات حضور اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ اس عالم سے پہلے خلقِ عرش میں بصورتِ انوار تھے۔ یہ حضرات انعقادِ نطفہ اور طینت میں بھی تمام انسانوں سے امتیاز رکھتے ہیں اور ان کے مقامات تو الّا ما شاء اللہ ہیں چنانچہ حدیثِ معراج میں جبرئیل کہتے ہیں لو دنوت انملة لاحترقت ایک انگل بھی اگر بڑھ آؤں تو جل جاؤں۔ اور یہ فرمان تو معلوم ہی ہے کہ معصوم فرماتے ہیں ان لنا مع اللہ حالات لا یسعها ملک مقرب ولا نبی مرسل. خدا کے ساتھ ہمارے ایسے حالات ہیں کہ جہاں تک ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی پہنچ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے مذہب کے اصول کا جزو ہے کہ ائمہ کے لئے حکومت و ولایت سے پہلے وہ مقامات معنوی حاصل ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ نیز یہ مقاماتِ معنوی حضرت زہراؑ کے لئے بھی ہیں حالانکہ وہ معصومہؑ نہ قاضی ہیں نہ حاکم نہ خلیفہ۔ یہ مقامات حکومت سے علیحدہ چیزیں ہیں۔

اسی لئے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت زہراؑ قاضی و خلیفہ نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری اور آپ کی طرح ہیں یا یہ کہ ہمارے اوپر معنوی برتری نہیں رکھتیں۔ اسی طرح اگر کوئی کہے النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم تو اس نے حضرت کیلئے ایک ایسی بات کہی جو مومنین پر حکومت و ولایت سے بالاتر ہے۔ سر دست ہم اس موضوع پہ بحث نہیں کر رہے ہیں کیونکہ یہ دوسرے علم کا فریضہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ اور ائمہ کی جنس و فصل انسان کی جنس و فصل سے الگ ہے۔ مترجم)

بلند مقاصد کے حصول کیلئے حکومت ذریعہ و وسیلہ ہے

حکومت میں عہدہ دار ہونا ذاتی طور پر کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ بلکہ اجرائے

احکام کے وظیفہ کو انجام دینا اور اسلام کے عادلانہ نظام کو برقرار رکھنے کا وسیلہ ہے۔

حضرت امیرؑ ابن عباس سے حکومت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "ابن عباس! میری اس جوتی کی قیمت کیا ہوگی؟ (چونکہ جوتی بہت بوسیدہ تھی لہٰذا) ابن عباس نے کہا کچھ بھی نہیں، یہ سن کر حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ "تمہاری اس حکومت کی قدر و منزلت میرے نزدیک اس جوتی سے بھی کمتر ہے۔ البتہ اگر اس حکومت کے ذریعہ حق (یعنی قانون و نظامِ اسلام) کو برقرار رکھ سکوں اور باطل (یعنی ظالمانہ و ناجائز قانون و نظام کو جڑ سے اکھاڑ سکوں رتب تو اس حکومت کی قدر ہے۔ ورنہ کچھ نہیں۔ مترجم) پس حکومت و فرمانروائی صرف وسیلہ و ذریعہ ہے) مردانِ خدا کے نزدیک اگر اس سے کارِ خیر اور بلند مقام حاصل نہ ہوسکیں تو پھر اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔" اسی لئے نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں

"اگر میرے اوپر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور اس کام پر ملزم نہ کیا گیا ہوتا تو اس حکومت کو چھوڑ دیتا۔ حکومت حصولِ مقاصد کا ذریعہ ہے خود کوئی مقام معنوی نہیں ہے اگر ذاتی طور پر حکومت کوئی مقام معنوی رکھتی ہوتی تو کوئی اس کو ائمہ سے غصب نہیں کر سکتا تھا۔ اگر حکومت و فرمانروائی احکام الٰہی کے اجراء کا وسیلہ اور اسلام کے عادلانہ نظام کی برقراری کا سبب ہو تب تو اس کی قدر و قیمت ہے اور حاکم کا مرتبہ بلند اور مقام معنوی زیادہ ہوگا۔

بعض حضرات جن کی نظروں میں دنیا ہی دنیا ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ حکومت ذاتی طور پر ائمہ کے لئے شان و بلند مقام ہے۔ اگر یہ کسی دوسرے کے لئے ثابت ہو جائے تو دنیا درہم برہم ہو جائے۔ حالانکہ شوروی وزیر اعظم یا انگریز یا رئیس جمہوریہ امریکہ بھی حکومت پر فائز ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ کافر ہیں۔ کافر ہیں مگر حکومت و نفوذ سیاسی تو رکھتے ہیں اور اس حکومت سیاسی اقتدار و نفوذ کو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ائمہ و فقہاء عادل کا فریضہ ہے کہ احکام الٰہی کے اجراء اور اسلام کے عادلانہ نظام کے برقراری کیلئے تشکیل حکومت کا سہارا

لیں ورنہ بعض حکومت تو ان کے لئے سوائے رنج و زحمت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر کیا کریں؟ انجام وظیفہ کے لئے مجبور ہیں۔ ولایت فقیہ کا موضوع ماموریت اور انجام وظیفہ کے سوا کیا ہے؟

حکومت کے بلند مقاصد

حضرتؑ حکومت و فرمانروائی کی تصریح فرماتے ہیں کہ حکومت کا مقصد حق کو ثابت کرنا اور باطل کو نیست و نابود کرنا ہے۔ معصومؑ فرماتے ہیں۔ خدایا تو جانتا ہے کہ ہم نے حصولِ منصب و حکومت کے لئے قیام نہیں کیا ہے بلکہ ہمارا مقصد مظلوموں کو ستمگاروں کے چنگل سے نجات دلانا ہے۔ جس چیز نے مجھے لوگوں پر حکومت کرنے کو آمادہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ "خدا نے علماء سے عہد لیا ہے اور ان کو پابند بنایا ہے کہ ستمگروں کی بہرہ مندی و پرخوری پر اور مظلوموں کی گرسنگی پر سکوت نہ کریں۔" دوسری جگہ فرماتے ہیں "پالنے والے تو جانتا ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا۔ وہ سیاسی قدرت کے حصول یا متعلقاتِ دنیا کے لئے نہیں کیا ہے۔" پھر بلافاصلہ فرماتے ہیں "بلکہ یہ سب اس لئے تھا کہ تیرے دین کے روشن اصول کو دوبارہ واپس لائیں اور تیرے ملک میں اصلاح کو ظاہر کریں تاکہ تیرے مظلوم بندے بے خوف ہو جائیں اور معطل شدہ قوانین کو پھر سے جاری کریں۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری صفات

جن مقاصد کو حضرت علیؑ نے بیان فرمایا ہے اگر اسلام کے انھیں بلند مقاصد کو کوئی

ل بیعت عمومی کے بعد مسجد مدینہ میں حضرتؑ نے جو پہلی تقریر فرمائی تھی کہ میں نے حکومت کیوں قبول کی، اس خطبہ کا ایک حصہ یہاں پر نقل کیا گیا ہے ۱۲

حاکم عمل میں لانا چاہتا ہے تو اس کو اُن صفات سے متصف ہونا چاہیئے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔ یعنی اُسے عالمِ قوانین ہونا چاہیئے۔ اسی بات کی طرف حضرت علیؑ اشارہ فرماتے ہیں۔ "خدایا! میں پہلا آدمی ہوں جو تیری طرف متوجہ ہوا۔ (رسولؐ کی زبان پر جاری ہونے والے تیرے دین کو) سُنا اور قبول کیا... رسول خداؐ کے علاوہ کسی نے مجھ سے پہلے نماز نہیں پڑھی۔ اے لوگو! تم خوب جانتے ہو کہ ناموس، قانون، غنیمت و احکام اور مسلمانوں پر بخیل کی حکومت نہیں ہو سکتی۔ (اسی طرح) حاکم کو جاہل (از قوانین) نہ ہونا چاہیئے ورنہ اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں کو گمراہ کر دے گا۔ (اسی طرح) حاکم جفاکار اور سخت نہ ہونا چاہیئے ورنہ اس کی جفا کی وجہ سے لوگ اس سے قطع تعلق کر لیں گے حاکم کو حکومتوں سے بھی نہ ڈرنا چاہیئے ورنہ ایک سے دوستی اور دوسرے سے دشمنی کر بیٹھے گا۔ حاکم کو قضاوت میں رشوت خوار نہ ہونا چاہیئے ورنہ افراد کے حقوق پامال کرے گا۔ اور حق کو حقدار تک پہنچنے نہ دیگا۔ حاکم کو سنت و قانون کا معطل کرنے والا نہ ہونا چاہیئے ورنہ امت گمراہ ہو سکتی ہے۔" توجہ فرمایئے اس روایت کے مطالب دو ہی موضوع کو بیان کر رہے ہیں۔ ایک علم دوسرے عدالت اور ان دونوں کو والی کے لئے لازمی صفت بتایا جا رہا ہے ولا الجاھل فیضلھم بجھلہ علم کی طرف متوجہ کرتا ہے اور باقی عبارت عدالت کی تائید کرتی ہے۔ عدالت واقعی یہ ہے کہ حکومتوں سے ارتباط (۲) لوگوں سے معاشرت، عوام الناس سے معاملت عدالت فیصلے اموال کی تقسیم میں حضرت علیؑ کا طریقہ اختیار کرے اور مالکِ اشتر کو لکھے ہوئے ہدایت نامہ کو اپنے پیشِ نظر رکھے۔ اس مکتوب میں اتنی عمومیت ہے کہ اگر فقہاء والی ہو جائیں تو ان کو بھی مکتوبِ مالکِ اشتر کو اپنا دستور العمل بنانا چاہیئے۔

احادیث سے ولایتِ فقیہ

فقہاءِ عادل رسولِ اکرمؐ کے جانشین ہیں

ایک روایت جس کی ولادت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ "رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ "خدایا! میرے جانشینوں پر رحم فرما۔" اس جملے کو تین بار تکرار کیا۔ پوچھا گیا۔ "حضور! آپ کے جانشین کون حضرات ہیں؟" "میرے بعد آنے والے" میری حدیث و سنت کو نقل کرنے والے اور میرے بعد اس کی لوگوں کو تعلیم دینے والے۔

شیخ صدوقؒ نے جامع الاخبار، عیون اخبار الرضا، مجالس میں اس روایت کو پانچ طرق سے جو تقریباً چار طریقہ ہوتا ہے۔ کیونکہ دو طرق بعض لحاظ سے مشترک ہیں۔ لہٰذا وہ دونوں ایک ہی ہیں۔ نقل فرمایا ہے۔ جن مقامات پر اس روایت کو مسند کیا گیا ہے ان میں سے ایک جگہ فیعلمونھا اور باقی مقامات پر فیعلمونھا الناس ہے جن مقامات پر اس روایت کو مرسل نقل کیا گیا ہے وہاں فقط صدر روایت تو ہے لیکن فیعلمونھا الناس من بعدی والا جملہ نہیں ہے

۱۔ میں اس روایت پر دو طرح سے بحث کروں گا۔ (۱) ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک ہی روایت ہے اور فیعلمونھا.... والا جملہ حدیث کے آخر میں اضافہ ہے یا یہ کہ یہ جملہ تھا مگر بعد میں نقل سے رہ گیا۔ یہ دوسرا احتمال واقع سے زیادہ نزدیک معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہم نہ کے قائل ہوں تو از روئے خطا یا اشتباہ اضافہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ روایت کئی طرح سے وارد ہوئی ہے اور حدیث کے راوی ایک دوسرے سے بہت دور زندگی بسر کرتے تھے ایک بلخ میں دوسرا نیشاپور میں تیسرا کسی اور جگہ (مرو) رہتا تھا اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ جان بوجھ کر یہ جملہ زیادہ کیا گیا ہے اور یہ بھی مثلاً بعید ہے کہ چند ایسے افراد جو ایک دوسرے

سے الگ رہتے ہوں۔ ہر ایک کے ذہن میں ایک ہی جملے کے اضافہ کی بات آئی ہو، لہٰذا اگر ایک ہی روایت ہے تو ہم کو یقین ہے فیعلمونہا والا جملہ صدوقؒ کی نقل میں ساقط ہو گیا ہے۔ یا تو لکھنے والے لکھنے سے رہ گئے یا پھر صدوقؒ نے اس جملہ کو ذکر میں فرمایا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ دو حدیثیں ہوں ایک میں فیعلمونہا ..... والا جملہ رہا ہو اور دوسرے میں نہ رہا ہو۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ جملہ حدیث میں تھا تو اس حدیث کے مصداق وہ حضرات ہرگز نہیں ہو سکتے جن کا مشغلہ صرف نقلِ حدیث تھا اور نہ خود کوئی رائے یا فتویٰ نہیں رکھتے تھے، اسی طرح اس حدیث کے مصداق وہ محدثین بھی نہیں ہو سکتے جو حدیث فہم نہیں تھے اور اس مشہور مقالے سب حامل فقہ لیس بفقیہ کے مصداق تھے (یعنی بہت سے حامل فقہ فقیہ نہیں ہیں)

(یعنی وہ حضرات جو احادیث کو ضبط کرتے تھے اور اخبار و روایات کو حاصل کر کے تحریر کرتے تھے اور لوگوں کو دیا کرتے تھے، ان کو بھی خلیفۂ رسول اور علوم اسلامی کا معلم نہیں کہا جا سکتا اور نہ یہ لوگ حدیث کے مصداق ہیں۔ البتہ ان کی خدمات اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت قیمتی ہیں اور ان میں بہت سے فقیہ اور صاحب رائے بھی تھے۔ مثلاً کلینیؒ، صدوقؒ، صدوق کے والدؒ یہ حضرات فقیہ تھے اور احکام و علوم اسلام کی لوگوں کو تعلیم دیتے تھے، ہمارے اس کہنے کا مطلب شیخ صدوقؒ اور شیخ مفیدؒ میں فرق تھا یہ نہیں ہے کہ صدوقؒ فقیہ نہیں تھے یا ان کی فقاہت شیخ مفیدؒ سے کم تھی کیونکہ شیخ صدوقؒ ہی وہ ہیں جنہوں نے ایک ہی نشست میں مذہب کے تمام اصول و فروع بیان فرمائے تھے۔ بس

۱۔ وسائل الشیعہ کتاب قضا، ابواب صفات قاضی باب ۸ حدیث ۵۰ نیز باب ۱۱ حدیث ۷ میں مرسل ذکر ہے۔ معانی الاخبار و مجالس میں مختلف سندوں سے نقل ہے جن میں بعض راوی مشترک ہیں۔ متون میں بھی بالکل مختلف طریقے سے درج ہے اور یہ سب ایک دوسرے سے مختلف جگہ پر رہتے تھے کوئی مرو میں کوئی بلخ میں کوئی نیشاپور میں رہتا تھا۔

شیخ صدوقؒ اور شیخ مفیدؒ اور ان جیسے دیگر مجتہدین میں یہ فرق ہے کہ شیخ مفید وغیرہ ایسے فقہا میں تھے جو اپنی نظر کو دخل دیتے تھے۔ اور صدوقؒ ان فقہا میں تھے جو اپنی نظر کو دخل نہیں دیتے تھے یا کم دخل دیتے تھے۔

یہ حدیث ان علماء کو شامل ہے جو علوم اسلام کو نشر اور احکام اسلام کو بیان کرتے ہیں اور ایسے صالح افراد کی تربیت کرتے ہیں جو دوسروں کو تعلیم دیں جیسا کہ حضور اکرمؐ اور ائمہ نشر و بسط احکام اسلام فرمایا کرتے تھے حوزۂ درس رکھتے تھے اور ان حضرات کے مکاتب میں ہزاروں افراد علمی استفادہ کرتے تھے اور جو لوگوں کو تعلیم دینا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ یعلمونہا الناس کا یہی مطلب ہے۔ اسلام کا تمام دنیا کے لئے ہونا واضحات میں سے ہے۔ مسلمانوں پر اور خصوصاً علماء اسلام کا فریضہ ہے کہ احکام اسلام کو تمام دنیا میں معرفی کرائیں اور اگر ہم قائل ہو جائیں کہ جملہ یعلمونہا الناس..... حدیث کے ذیل میں نہیں تھا تو پھر دیکھنا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے؟ اور اس صورت میں بھی یہ حدیث ان راویوں کو جو فقیہ نہ ہوں شامل نہ ہوگی۔ کیونکہ سنن الٰہی جو کہ پیغمبر کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں لہٰذا ان کو سننِ رسول بھی کہا جاتا ہے اب اگر کوئی سننِ رسولؐ کو نشر کرنا چاہتا ہے تو اسے تمام سنن و احکامِ الٰہی کا عالم ہونا چاہئے، صحیح و غیر صحیح میں فرق کر سکتا ہو۔ اطلاق، تقیید، عام و خاص جمع عقلائی کی طرف ملتفت بھی ہو عالم تقیہ کی روایات کو دوسری روایات سے تمیز دے سکتا ہو۔ اور اس کے لئے جو میزان معین کی گئی ہے اس کو جانتا ہو (جب ہی وہ احکامِ الٰہی کو نشر کر سکتا ہے۔ مترجم)

اب جو محدثین مرتبۂ اجتہاد پر نہیں پہنچے ہیں اور صرف نقلِ حدیث کرتے ہیں۔ اور ان امور کو نہیں جانتے اور رسولِ خدا کی سنتِ واقعی کو تشخص و معین کر سکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کی رسولؐ خدا کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے اور نہ وہ حضرات مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ پیغمبر نے فقط قال رسول اللہ اور عن رسول اللہ۔ چاہے

جھوٹ ہی ہو۔ کہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگوں میں مشہور ہو جائے بلکہ حضرت کی مراد سنت واقعی اور اسلام کے حقیقی احکام کو نشر کرنا ہے من حفظ علی امتی اربعین حدیثا حشرہ اللہ فقیھا جو میری امت میں سے چالیس حدیثیں یاد کر لے، خدا اس کو فقیہ محشور کرے گا۔

یہ اور اس قسم کی روایتیں جو نشر احادیث کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں ان سے قطعاً وہ محدثین مراد نہیں ہیں جو حدیث کے معنی ہی نہیں سمجھتے کہ حدیث یعنی چہ؟ بلکہ اس سے وہ افراد مراد ہیں جو رسولؐ کی حدیث کو اسلام کے حکم واقعی کے مطابق تشخیص دے سکیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آدمی مجتہد و فقیہ نہ ہو اور احکام کے تمام قضایا و جوانب کو پرکھ نہ سکتا ہو اور ائمہ معصومینؑ کے بتائے ہوئے اصولوں سے اسلام کے واقعی حکم کو سمجھ نہ سکتا ہو۔ ایسے افراد رسول اللہؐ کے خلیفہ ہیں جو احکام الٰہی کو اور علوم اسلامی کو لوگوں کے درمیان نشر کرتے ہیں اور انھیں کے بارے میں حضرت نے دعا فرمائی ہے کہ اللھم ارحم خلفائی۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ اللھم ارحم خلفائی والی حدیث کتابت کرنے والوں کے لئے نہیں ہے اور نہ یہ لوگ رسولِ خداؐ کے خلیفہ ہیں۔ بلکہ اس حدیث سے مراد فقہائے اسلام ہیں نشر احکام اور لوگوں کی تعلیم و تربیت فقہا عادل سے متعلق ہے کیونکہ فقہا اگر عادل نہ ہوں گے تو سمرہ بن جندب۔ اس نے حضرت علیؑ کے خلاف روایت جعل کی ہے اسلام کے خلاف روایتیں جعل کریں گے اور اگر فقیہ نہ ہوں گے تو وہ فقہ و احکام اسلام کو نہیں سمجھیں گے اور ممکن ہے کہ درباری ملاؤں کی طرح۔ درباری ملاؤں نے بادشاہوں کی تعریف میں حدیثیں جعل کی ہیں۔ غلط سلط حدیثیں جعل کرنے لگیں جیسا کہ آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ دو ضعیف حدیثوں کو لے کر ان لوگوں نے اتنا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے ان کو قرآن۔ جو سلاطین کی مخالفت کا حکم دیتا ہے جس نے موسیٰؑ کو بادشاہوں کے خلاف کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا ہے۔ ظالموں اور دین میں تصرف کرنے والوں کے

خلاف جو احادیث ہیں کاہلوں نے ان کو چھوڑ کر ضعیف روایتوں۔ جن کو شاید بادشاہوں کے واعظین نے جعل کیا ہے۔ کا سہارا لیا ہے کہ بادشاہوں سے بگاڑنا نہیں چاہئے اور درباری ہونا چاہئے۔ اگر یہ لوگ واقعی دین شناس اور اہل روایت ہیں تو ان بہت سی روایات پر عمل کریں جو ظالمین کے خلاف آئی ہیں۔ اگر یہ اہل روایت ہوں بھی تو عادل نہیں ہیں اسی لئے اتنی زیادہ روایات سے چشم پوشی کر کے دو ضعیف روایت سے چپکے ہوئے ہیں یہ حب جاہ و شکم پروری ہے جس نے انسان کو درباری بنا رکھا ہے۔ تقاضائے علم ہرگز یہ نہیں ہے۔ بہر حال علوم اسلام کا نشر فقہائے عادل سے متعلق ہے جو احکام واقعی و غیر واقعی کو عالم تقیہ کی روایات کو دوسرے سے تمیز دے سکیں۔ چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ائمہ بعض اوقات حکم واقعی کے بیان کرنے کے موقف میں نہیں ہوتے تھے، حکام جور کے اسیر تھے۔ تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے اس لئے حکم واقعی ہمیشہ نہیں بیان کر سکتے تھے۔ البتہ دین کے خوف سے ائمہ کا تقیہ ہوا کرتا تھا کہ اگر تقیہ نہ کریں تو حکام جور مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں، ائمہ نے اپنی جان کے خوف سے تقیہ نہیں فرمایا۔

ولایت فقیہ پر حدیث کی دلالت واضح ہے کیونکہ خلافت تمام شئون نبوت میں جانشینی کا نام ہے۔ جملہ اللھم ارحم خلفائی کی دلالت علی خلیفتی سے کم نہیں ہے دونوں جملوں میں خلافت کے ایک ہی معنی ہیں اور اَلَّذِیْنَ یَاتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ وَیَرْوُوْنَ حَدِیْثِیْ والے جملے سے خلفاء کو پہچنوایا گیا ہے۔ خلافت کو نہیں پہچنوایا گیا۔ کیونکہ صدر اسلام میں خلافت کے معنی سب ہی کو معلوم تھے۔ اس کے بیان کی ضرورت ہی نہیں تھی اور خود سائل نے بھی خلافت کے معنی نہیں پوچھے تھے۔ بلکہ خلفاء کو معلوم کیا تھا۔ تعجب اس پر ہے کہ علی خلیفتی یا الائمۃ خلفائی سے کسی نے مسئلہ گوئی نہیں سمجھا بلکہ اس سے ائمہ کی خلافت و حکومت پر استدلال کیا ہے۔ مگر جملہ خلفائی پر لوگوں نے توقف کیا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت رسول ایک خاص حد تک محدود

ہے۔ یا مخصوص اشخاص تک محدود ہے اور چونکہ سارے ائمہ خلیفہ ہیں اس لئے ان کے بعد علماء فرمانروا و حاکم و خلیفہ نہیں ہو سکتے اور اسلام کو بے سرپرست رہنا چاہیئے، احکام معطل رہیں، سرحدوں پر دشمنوں کا قبضہ ہے اور ساری ایسی غلط باتیں ہوتی رہیں کہ جن سے اسلام کا دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

(۱) محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن ابن محبوب، علی ابن حمزہ، قال: سمعت ابا الحسن موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام یقول: اذا مات المومن بکت علیہ الملائکہ وبقاع الارض التی کان یعبد اللہ علیہا، وابواب السماء التی کان یصعد فیہا باعمالہ وثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدھا شیء لان المومنین الفقہاء حصون الاسلام کحصن سور المدینۃ لہا...

راوی کہتا ہے: میں نے امام موسیٰ ابن جعفر سے سنا آپ فرماتے تھے جب کوئی مومن (یا فقیہ مومن) مرجاتا ہے تو اس پر فرشتے، زمین کے وہ ٹکڑے جن پر وہ خدا کی عبادت کرتا تھا اور آسمان کے دروازے جن سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے (یہ سب کے سب اس پر گریہ کرتے ہیں) اور قلعہ اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے۔ جسے دنیا کی کوئی شے پر نہیں کر سکتی۔ کیونکہ فقہاء مومن اسلام کے قلعے ہیں جیسے سور مدینہ کے قلعے مدینہ کیلئے۔

کافی کے اسی باب میں ایک دوسری روایت ہے جس میں اذا مات المؤمن کے بجائے اذا مات المومن الفقیہ ہے۔ لیکن پہلی روایت کے ابتدائی حصے میں فقیہ کا لفظ نہیں ہے۔ البتہ آخری حصے میں المومنین الفقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ فقیہ شروع میں رہ گیا اور ثلم فی الاسلام، حصن اور اس قسم کے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ کا لفظ رہ گیا ہے۔ کیونکہ یہ سب فقہاء سے مناسبت رکھتے ہیں۔

---

(۱) کافی — کتاب فضل العلم۔ باب فقد العلماء۔ حدیث سوم

مفہومِ روایت

مومنین فقہاء اسلام کے قلعے ہیں۔ اس جملے سے معصوم فقہا کو مامور فرما رہے ہیں کہ وہ نگہبان رہیں، عقائد، احکام اور نظام اسلام کی نگرانی کریں۔ ظاہر ہے کہ معصوم نے تکلفاً یہ بات نہیں فرمائی ہے۔ یہ اس قسم کے تکلفات نہیں ہیں کہ جیسے ہم لوگوں میں آپس میں مرسوم ہیں کہ میں آپ کو شہ لعیمار کہوں۔ آپ مجھے شریعت مدار کہیں۔ یا لفافہ کی پشت پر لکھتے ہیں "حضرت مستطاب حجۃ الاسلام"۔ اگر کوئی فقیہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جائے۔ کسی معاملے میں دخل نہ دے، قوانین اسلام کی حفاظت نہ کرے نہ احکام اسلام کو نشر کرے، مسلمانوں کے امور اجتماعی میں کسی قسم کا دخل نہ دے اور نہ مسلمانوں کے امور کا اہتمام کرے تو کیا ایسے فقیہ کو "حصن الاسلام" کہا جا سکتا ہے؟ کیا وہ حافظ اسلام ہے؟ اگر رئیس حکومت کسی منصب دار یا سردار کو حکم دے کہ جا کر فلاں حصہ کی نگرانی کرو تو کیا اس کا فریضہ یہ ہے کہ گھر جا کر سو رہے تاکہ دشمن آ کر اس حصہ کو غارت کر دے یا اس کا فریضہ یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس حد کی حفاظت کرے۔

اگر آپ فرمائیں کہ ہم [illegible] اسلام کی حفاظت کرتے ہیں تو میں آپ سے سوال کروں گا۔ کیا آپ نے حدود [illegible] جاری کرائے؟ جی نہیں۔ یہاں پر شگاف ہو گیا۔ آپ جس کی نگرانی کرتے تھے۔ اسی دیوار [illegible] حصہ خراب ہو گیا۔ کیا آپ مسلمانوں کی سرحدوں اور وطن اسلامی کی تمام زمینوں کی [illegible] کرتے ہیں؟ جی نہیں۔ ہم تو دعا گو ہیں۔ لیجئے دیوار کا دوسرا حصہ بھی برباد ہو گیا۔ [illegible] ضرورتمندوں کے حقوق لے کر فقراء تک پہنچاتے ہیں؟ کیونکہ آپ کا اسلامی فریضہ ہے کہ مالداروں سے لے کر غریبوں تک پہنچائیے۔ جی نہیں۔ ہم تو یہ نہیں کرتے۔ [illegible] انجام دیتے ہوں گے۔ لیجئے دیوار کا ایک حصہ اور برباد ہو گیا۔ آپ کی شان [illegible] سلطان حسین اور اصفہان کی ہو گئی بھلا یہ کون سا قلعہ ہوا کہ جو اس [illegible] کے لئے [illegible] حصین الاسلام" سے سوال کرتا ہوں جواب نفی میں آتا ہے۔ کیا "حصن" کے یہی معنی ہیں؟

فقہاء کا "اسلام کا قلعہ" ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ حفاظتِ اسلام کے لئے مکلف ہیں۔ ان کو ایسے طریقے اختیار کرنا چاہئیں کہ جس سے اسلام کی حفاظت ہو سکے اور یہ اہم ترین واجب ہے بلکہ واجب مطلق ہے۔ واجب مشروط نہیں ہے۔ حوزہ ہائے دینی کو اس کی فکر کرنی چاہئے اور اپنے کو ایسے لوازم و تشکیلات سے آراستہ کر لینا چاہئے کہ جس سے اسلام کی نگہبانی ہو سکے۔ جس طرح خود حضور اکرم عقائد و احکام کے تمام معنی میں حافظ تھے لیکن ہم لوگوں نے سارے احکام کو چھوڑ کر بعض احکام کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور بزرگوں سے یہی رسم چلی آرہی ہے۔ عالم یہ ہو گیا ہے کہ بہت سے احکام اسلامیہ علوم غریبہ جزو ہو گئے ہیں واقعی اسلام غریب ہے اور فقط اس کا نام باقی ہے۔ جزائیات اسلام جو بہترین جزائی قانون بن کر انسان کے لئے آئے ہیں اس وقت بالکل فراموش ہو گئے ہیں۔ جزائیات و حدود کی آیات صرف تلاوت میں باقی ہیں۔ ہم تو یہ پڑھتے ہیں الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ (زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو)

مگر یہ صرف تلاوت تک محدود ہے۔ ہماری کوشش یہ رہتی ہے کہ صحیح مخرج سے ادا ہو جائے مگر کیا ہم اس کے مکلف نہیں ہیں؟ اب اسلامی معاشرہ کا کیا عالم ہو گیا ہے..... فحشاء و منکر کا کتنا رواج ہو چکا ہے۔ حکومتیں بدکاروں کی کس قدر پشت پناہی کرتی ہیں؟ ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بس گویا ہمارا فریضہ یہ ہے کہ زانی و زانیہ کی کیا سزا ہے؟ اس کا علم ضروری ہے۔ لیکن اس پر عمل بھی ضروری ہے ہمیں اس سے کیا سروکار؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کیا رسولؐ اسی طرح قرآن کی تلاوت کر کے اُسے گوشے میں رکھ دیتے تھے۔ حدود و قانون کے اجراء کی کوئی فکر نہیں کرتے تھے؟ کیا خلفائے رسولؐ مسائل لوگوں کو بتا کے فرما دیا کرتے تھے، بس اب ہمیں تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے یا اس کے برخلاف حدود معین تھے؟ کوڑے لگائے جاتے تھے۔ رجم کیا جاتا تھا، حبس دوام کی سزا ہوتی تھی، شہر بدر کئے جاتے تھے۔ یہ سب ہوتا تھا کہ نہیں؟ ذرا اسلام کے دیات اور حدود کے فصول ملاحظہ فرمائیے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام انھیں چیزوں کے لئے آیا تھا۔ اسلام معاشرہ کے اصلاح کے لئے آیا تھا حکومت و امامت اعتباری انھیں چیزوں کے لئے ہے؟ اسلام کی حفاظت ہمارا فریضہ ہے۔ یہ تو نماز روزہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اسی کے لئے خون بہایا جاتا ہے۔ امام حسینؑ نے اسی لئے قربانی دی تھی۔ کیا حسینؑ کے خون سے زیادہ دنیا میں کسی کا خون اہم ہے؟ ہمیں خود بھی اس بات کو سمجھنا چاہئے اور دوسروں کو بھی بتانا چاہئے۔ آپ خلفائے اسلام اسی وقت ہوں گے جب لوگوں کو اسلام سکھائیں۔ یہ مت کہئے کہ چھوڑو، امام زمانؑ جب آئیں گے تو یہ سب ہو گا۔ کیا آپ نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ جب امام زمانؑ آئیں گے تب پڑھی جائے گی؟ حفاظتِ اسلام نماز سے زیادہ اہم ہے۔ خمین کے حاکم والی منطق نہ چلائیے کہ خوب گناہ کرو تاکہ امام زمانؑ کا ظہور جلد از جلد ہو جائے۔ اگر گناہوں کی کثرت نہ ہو گی تو امامؑ تشریف نہ لائیں گے۔

غرضِ بعثتِ انبیاء

بدیہی بات ہے کہ بعثتِ انبیاء کا مطلب صرف مسئلہ گوئی نہیں تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ مسائل و احکام بذریعہ وحی پیغمبرِ اسلام کے پاس آتے تھے اور حضرت رسولِ خداؐ اور جناب امیرؑ و دیگر ائمہؑ صرف مسئلہ گو رہے ہیں کہ خدا نے ان حضرات کو اس بات پر متعین کیا تھا کہ بغیر کسی خیانت کے مسائل و احکام لوگوں تک پہنچا دیں اور یہ حضرات بھی اس امانت کو فقہاء کے حوالے کر دیں تاکہ یہ حضرات انبیاء سے ملی ہوئی امانت بغیر خیانت لوگوں تک پہنچا دیں۔ اور الفقہاء امناء الرسول کا مطلب صرف مسئلہ گوئی میں امین ہونا ہے؟ بلکہ اہم ترین فریضہ ایک اجتماعی عادلانہ نظام کا قائم کرنا تھا، جس کا لازمی نتیجہ بیانِ احکام و نشرِ تعالیم و تعلیم بھی

۱۔ کتاب کافی کتاب فضل علم باب ۱۳ حدیث ۵۔ یہ منجملہ ان روایات کے ہے جس کو مرحوم نراقی نے ذکر کیا ہے۔ مرحوم نوری نے "مستدرک الوسائل" ابواب ما یکتسب به باب ۳۸ روایت نوادرِ راوندی سے بسند صحیح از امام ہفتمؑ نقل کیا ہے۔ نیز ابواب صفت قاضی باب ۱۱ حدیث ۳ کتاب دعائم الاسلام سے بحوالہ امام ششم نقل کیا ہے۔ کافی میں بھی ایک روایت اسی مضمون کی ہے امام ششم نے فرمایا "علماء امین ہیں۔ متقی قلعے ہیں۔ انبیاء سردار ہیں۔"

ہے جیسا کہ اس آیت سے ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔ واضح ہے۔ بطورِ کلی بعثتِ انبیاءؑ کا مقصد لوگوں کو عادلانہ اجتماعی روابط کی بنیاد پر منظم کرنا ہے اور یہ بات تشکیلِ حکومت و اجرائے قانون سے حاصل ہوتی ہے۔ خواہ خود نبی جیسے ہمارے پیغمبرؐ تشکیلِ حکومت کا موافق ہو یا اس کے پیروکار اس فریضے کو انجام دیں۔

خمس کے سلسلے میں ارشاد ہے واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی۔ یا زکوٰۃ کے لئے ارشاد ہے خذ من اموالھم صدقۃ یا خراجات کے لئے دستور معین کیا ہے۔ ان سب چیزوں کا مطلب فقط یہی نہیں ہے کہ لوگوں کے لئے احکام بیان کر دیں، بلکہ ان کے اجراء کے لئے بھی پابند کیا ہے جس طرح لوگوں میں نشر کرنا فریضہ ہے کہ خمس و زکوٰۃ وغیرہ لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرے۔ لوگوں میں عدالت قائم کرنے سرحدوں کی حفاظت اور دشمن کا اخراج کرے کسی کو حکومتِ اسلامی کے مالیات پر بیجا تصرف کرنے دے۔

یہ جو خداوندِ عالم نے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے ذریعے پیغمبرؐ کو رئیس بنا کر ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے؟ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبرؐ مسئلہ بیان کریں تو ہم اس کو قبول کر لیں اور اس پر عمل کریں۔ احکام پر عمل کرنا تو اطاعتِ خدا ہے۔ بلکہ تمام عبادی و غیر عبادی کام جو احکام سے مربوط ہوں وہ سب اطاعتِ خدا ہیں۔ رسول کی متابعت احکام پر عمل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا مطلب ہے (اِن ایک لحاظ سے رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ کیونکہ خدا نے خود ہی پیغمبرؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے) مثلاً اگر رسول تمام لشکر کو اسامہ کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ کریں تو یہ حکمِ خدا نہیں ہے بلکہ حکمِ رسول ہے اس لئے کہ خدا نے حکومت ان کے سپرد کر دی ہے اور حضرت بھی مصالح کی خاطر فوج روانہ کر رہے ہیں

بہ خاطر متعلق ہے۔ یہاں بیٹھ کر صرف مباحثہ سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ تمام اسلام کا مطالعہ کیجئے، حقائق کو نشر کیجئے، رسالے دیکھا ہیں لکھ کر منتشر کیجئے۔ اس کا اثر ہوگا۔ میرا تجربہ ہے کہ اثر ہوتا ہے۔

***

عَلیٌ عن أبیه، عن النوفلی، عن السکونی، عن ابی عبد اللّٰہ قال:
قالَ رَسُولُ اللّٰہ (ص) الفقھاء امناء الرسل مالم یدخلوا فی الدنیا
قیل یا رسولَ اللّٰہ وما دخولھم فی الدُّنیا؟ قال اتباع السلطان فاذا
فعلوا ذلک فاحذروھم علی دینکم۔

رسول اللہ فرماتے ہیں: "فقہا جب تک دنیا کے پیچھے نہ پڑ جائیں"۔ امین اور انبیاء کے مورد اعتماد ہیں۔ پوچھا گیا۔ دنیا کے پیچھے پڑنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: "بادشاہوں کی پیروی کرنا۔ اگر ایسا ہو جائے تو ان سے اپنے دین کیلئے ڈرو۔

اس روایت کے تمام پہلوؤں پر نظر بحث کے طولانی ہونے کا سبب بن جائے گی؛ اسلئے صرف ایک جملہ الفقہاء امناء الرسل جو ولایت فقیہ سے متعلق ہے، کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ پہلے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ انبیاء کے وظائف و اختیارات کیا ہوتے ہیں؟ تاکہ معلوم ہو جائے کہ فقہا کے امانت دار اور مورد اعتماد انبیاء ہونے کا کیا مطلب ہے۔ اور ان کے کیا فرائض ہیں؟

والی حاکم قاضی معین کریں یا کسی کو معزول کریں تو حکم رسول ہی ہوگا حکومت، اجرائے قوانین، معاشرہ کا ادارہ، ملک کا دفاع، قضاوت وغیرہ میں فقہا پیغمبر اسلام کے محل اعتماد ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام وہ امور جو پیغمبروں سے متعلق ہیں، فقہا عادل ان کی انجام دہی کیلئے مامور ہیں۔ اگرچہ رسالت امانت سے اعم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے ایک شخص امور مالی میں امین ہونے کے باوجود عادل نہ ہو مگر حضور اکرمؐ کی مراد امناء الرسل سے وہی حضرات ہیں جو کسی حکم کی مخالفت نہ کریں پاک و منزہ ہوں جیسا کہ حدیث کے آخر میں خود فرمایا ہے کہ جب تک مطامع دنیا میں داخل نہ ہو جائیں، پس اگر کوئی فقیہ مال دنیا جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے تو وہ عادل نہیں ہے اور نہ رسول اکرمؐ کا امین ہے۔ صرف فقہاء عادل احکام اسلام کو جاری کر سکتے ہیں، اس کے نظام کو معین کر سکتے ہیں، حدود و قصاص کو جاری کر سکتے ہیں مسلمانوں کے تمام وطن ارضی کی نگرانی کر سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ خمس، زکوٰۃ، صدقات، جزیہ، خراج کی تحصیل اور اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرنے سے لیکر، اجراء حدود و قصاص تک۔ جو حاکم کے زیر نگرانی ہو حتی کہ ولی مقتول بھی حاکم کی نظارت عمل نہیں کر سکتا۔ تمام وہ قوانین جو عہدۂ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے "سرحد کی حفاظت شہر کا انتظام" یہ سب کے سب فقہاء کے ذمہ ہے۔

جس طرح پیغمبرؐ اجرائے احکام اور برقراری نظام اسلام پر مامور تھے اور خدا نے ان کو حاکم و رئیس معین کر کے مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب قرار دی تھی، اسی طرح فقہا عادل بھی رئیس و حاکم ہیں ان کو بھی اجرائے احکام کرنا چاہیے۔ اسلام کے اجتماعی نظام کو برقرار رکھنا چاہیئے۔

قانونی حکومت

چونکہ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے۔ اس لئے قانون شناس بلکہ دین شناس فقہا ہی کو اس کا متصدی ہونا چاہئے۔ فقہا ہی کو ملک کے اداری و اجرائی امور کے نگران ہونا چاہیے۔ یہی حضرات احکام الٰہی کے اجراء، اخذ مالیات، سرحدوں کی حفاظت، اجراء حدود کے امین ہیں۔ انھیں قانونِ اسلام کو معطل یا اجراء میں کمی و زیادتی نہ ہونے دینا چاہیئے۔ اگر فقیہ زانی کو حد لگانا چاہے تو شریعت کے معین کردہ طریقہ پر لوگوں کے درمیان سو تازیانہ لگائے، ایک تازیانہ کی کمی یا زیادتی کا حق نہیں رکھتا، نہ ایک طمانچہ مار سکتا ہے نہ حبسِ دوام کی سزا دے سکتا ہے "بس جو حکم شریعت ہے اسی پر عمل کو محدود رکھے۔" اسی طرح اخذ مالیات میں اسلامی قاعدے پر عمل کرے ایک پائی زیادہ لینے کا حق نہیں رکھتا۔ بیت المال میں ہرج مرج نہ ہونے دے کہ ایک پائی کا بھی نقصان ہو سکے، اگر نعوذ باللہ فقیہ خلاف اسلامی امور کا مرتکب ہو جائے۔ مثلاً فاسق ہو جائے تو خود بخود حکومت سے معزول ہو جائے گا کیونکہ اب وہ امین نہیں رہا۔

حصہ اول

تمام شد

حکومتِ اسلامی

حصہ دوم

درحقیقت قانون حاکم ہے اور سب ہی اس کے حفظ و امان میں ہیں مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام لوگ حدودِ شرع کے اندر آزاد ہیں، یعنی احکام شرع کی پابندی کے بعد کسی کو حق نہیں ہے کہ کسی سے کچھ کہے۔ مثلاً یہاں آؤ، وہاں بیٹھو، یہ سب کچھ نہیں ہے۔ حکومتِ اسلامی کا مطلب یہی ہے۔ آج کل کی حکومتوں والا معاملہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں بھی کانپتا رہتا ہے کہ مجھے گرفتار نہ کرلیں، جیسے معاویہ جیسے حضرات کی حکومتوں میں لوگوں کی آزادی سب کرلی گئی تھی۔ لوگوں کو کوئی امان نہ تھی صرف اتہام و احتمال کی بنا پر لوگوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ ملک بدر کیا جاتا تھا، حبس دوام کیا جاتا تھا، کیونکہ حکومتِ اسلامی تو تھی نہیں۔ اگر حکومت اسلامی قائم ہو جائے تو قانون کے زیر سایہ ہر شخص آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے گا۔ کسی کو خلاف قانون شرع اقدام کرنے کا حق نہ ہوگا۔

اس لئے "امین" کے معنی یہ ہیں کہ فقہا تمام قوانین اسلام کو امانت کے ساتھ اجراء کریں

نہ یہ کہ صرف مسئلہ بیان کرتے رہیں۔ کیا امام صرف مسئلہ گو تھے؟ اور صرف قانون ہی بیان فرماتے تھے؟ کیا انبیاء صرف مسئلہ گو تھے؟ تاکہ فقہاء صرف مسئلہ گوئی میں امین رہیں؟ ان میں مسئلہ گوئی اور بیان قوانین بھی وظائف فقہی میں داخل ہیں۔ لیکن اسلام کی نظر قانون بنظر آلی ہے یعنی اصلاح اعتقادی و اخلاقی اور تہذیب انسانی اور معاشرہ میں تحقیق عدالت کا وسیلہ ذریعہ قانون ہے۔۔ انبیاء کا بھی اہم ترین فریضہ اجرائے احکام و حکومت تھا۔ امام رضاؑ کی روایت کا ذکر کر چکا کہ حضرت بطور کلی بیان فرما رہے ہیں کہ لوگوں کے لئے امام قیمؑ امین کا ہونا ضروری ہے اور اس روایت میں ارشاد ہے کہ فقہاء انبیاء کے امین ہیں۔ اس صغری و کبری کا نتیجہ یہ ہے کہ فقہاء کو رئیس ملت ہونا اس لئے ضروری ہے تاکہ اسلام کے احکام مٹنے نہ پائیں۔

عالم اسلام میں چونکہ فقہاء کی حکومت نہیں تھی اس لئے اسلام مندرس ہو گیا اس کے احکام معطل ہو گئے۔ دیکھا آپ نے امام رضاؑ کا مقولہ کس قدر سچا ہے اور تجربے نے بھی اس کی صحت کی تصدیق کر دی ہے۔

کیا اب بھی اسلام مندرس نہیں ہوا؟ حکومت ہائے اسلامی میں اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں۔ حدود جاری نہیں کئے جاتے۔ احکام اسلام محفوظ نہیں ہیں۔ نظم اسلام برباد ہو رہا ہے۔ ہرج مرج عام ہے۔ کیا ان باتوں کے باوجود اسلام مندرس نہیں ہوا۔ کیا اسلام یہی ہے کہ صرف کتابوں میں لکھ دیا جائے۔ مثلاً "کافی" لکھ کر ایک کنارے ڈال دی جائے اگر خارج میں احکام کا اجراء نہ ہو، حدود جاری نہ ہوں، چور اپنی سزا کو نہ پہنچے، غارت گر، ستمگر، حضرات اپنے کیفر کردار تک نہ پہنچیں، اور صرف قرآن کو چوم کر ایک کنارے رکھ دیں اور شب جمعہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کر لیں تو کیا بس یہ کافی ہے؟ احکام اسلام محفوظ ہو گئے؟

چونکہ ہم میں بہتوں نے کبھی یہ فکر ہی نہیں کی کہ ملت اسلام حکومت اسلامی کے ساتھ منظم ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف بلاد اسلامی میں نظم اسلام برقرار نہیں ہے۔ اور اسلامی قوانین کی جگہ ظالمانہ قوانین رائج ہیں بلکہ اسلام خود اہل علم کے ذہنوں میں کہنہ ہو گیا

ہے۔ اور عالم یہ ہے کہ جب گفتگو ہوتی ہے تو الفقہاء امناء الرسل کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ فقہاء صرف مسئلہ گوئی میں امین ہیں اور ان کی تمام روایات کی تاویل کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ زمانۂ غیبت میں علماء اسلام والی حاکم ہیں، یہ بھی امانت داری ہے؟ کیا فقہاء پر لازم نہیں ہے کہ احکام اسلام کو معطل نہ ہونے دیں؟ تباہ کرنے والوں کو بغیر سزا نہ چھوڑیں؟ حکومت کی آمدنی و صرف میں گڑبڑ نہ ہونے دیں؟ بدیہی سی بات ہے کہ ان چیزوں کے لئے امین کی ضرورت ہے۔ اور فقہاء کا وظیفہ امانت داری ہے۔

قضاوت کس کا حق ہے

عن محمد بن یحییٰ، عن محمد بن احمد، عن یعقوب بن یزید، عن یحییٰ بن مبارک، عن عبد اللہ بن جبلہ، عن اسحاق بن عمار، عن ابی عبد اللہ قال: قال امیر المؤمنین لشریح: یا شریح قد جلست مجلساً لا یجلسہ (ما جلسہ) الا نبی او وصی نبی او شقی[1]

حضرت علیؑ شریح سے فرماتے ہیں: "تم ایسی جگہ پر بیٹھے ہو جہاں نبیؐ یا وصی نبی یا شقی کے علاوہ کوئی نہیں بیٹھ سکتا" ظاہر ہے شریح نہ تو نبی تھے نہ وصی، لہٰذا شقی تھے۔ شریح وہ شخص ہے جو ۵۰۔۶۰ سال تک کوفے میں منصب قضا پر فائز رہے، اور ان کا شمار ان میں ہوتا ہے جنہوں نے معاویہ سے تقرب کی خاطر ایسے فتاوے جاری کئے ہیں جو حکومت اسلامی کے برخلاف تھے۔ حضرت علیؑ بھی دوران حکومت میں اس کو معزول نہ کر سکے کیونکہ یہ شیخین کے معین کردہ تھے، لہٰذا لوگوں نے ان کو معزول نہیں ہونے دیا۔ البتہ حضرت علیؑ

۱۔ وسائل الشیعہ، کتاب قضا، باب ۳، حدیث ۲، من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۴ میں نقل کیا گیا ہے۔

نے امر، کا التزام رکھا تھا کہ خلاف انصاف کوئی حکم نہ دینے پائے۔

قضاوت فقیہ عادل کا حق ہے

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاوت پیغمبرؐ یا وصی پیغمبر کا حق ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ فقیہ عادل بحسب تعین ائمہؑ منصب قضاء کے اہل ہیں اور انھیں کا یہ حق ہے۔ البتہ ولایت کا مسئلہ اختلافی ہے۔ مرحوم نراقیؒ اور متاخرین میں سے علامہ نائینی مرحوم تمام مناصب اور امام کے شؤون اعتباری کو فقیہ کے لئے ثابت مانتے ہیں اور بعض علماء منکر ہیں۔ لیکن منصب قضاء فقہائے عادل کا حق ہے اس میں کوئی اشکال یا اختلاف نہیں ہے۔

چونکہ فقہا نبی تو ہوتے نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ وصی نہیں ہیں؛ لہٰذا ان کو جانشین انبیاء تو بہرحال ماننا پڑے گا، لیکن چونکہ "وصی نبی" سے لوگوں نے بلاواسطہ وصی مراد لیا ہے۔ اس لئے اس قسم کی روایات سے تمسک ہی نہیں کیا۔ لیکن امر واقعی یہی ہے کہ "وصی نبی" کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ فقہا اس میں شامل ہیں البتہ بلافصل وصی حضرت علیؑ ان کے بعد ائمہ معصومین ہیں۔ اور لوگوں کے امور انھیں پر محول ہیں۔ یہ بھی تصور نہ فرمائیے گا کہ منصب حکومت یا قضا ائمہؑ کے لئے شانی ہیں۔ ان کی غرض صرف یہ تھی کہ حکومت عادلہ کا قیام ہو۔ لوگوں میں عدالت اجتماعی قائم ہو۔ البتہ ائمہ کے روحانی درجات ـ جو انسانی طاقت کے ادراک کے باہر ہیں۔ نصب و عزل سے مربوط نہیں ہیں (تھوڑی دیر کیلئے فرض کیجئے) اگر حضرت رسولؐ جناب امیر کو وصی نہیں بناتے تو حضرت علیؑ کے مقامات معنوی و درجات محفوظ تھے۔ یہ حکومت و منصب نہیں ہے کہ جس سے انسان کو شان و منزلت معنوی مل جائے بلکہ یہ وہ منزلت و مقام معنوی ہے جو انسان کو حکومت اور مناصب اجتماعی کے لائق و سزاوار بناتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فقہاء رسول خداؐ کے بالواسطہ اوصیا ہیں اور رسول خدا کی طرف سے

جو امور ائمہؑ کو واگزار کئے گئے تھے وہ فقہا کے لئے بھی ثابت ہیں۔ فقہاء کو رسول خدا کے تمام کاموں کو انجام دینا چاہیئے۔

ایک روایت جو ہمارے مطلب کی دلیل یا بہتر مؤید ہے مگر سند دلالت کے لحاظ سے پہلی والی روایت سے بہتر ہے؛ وہ یہ ہے جو بطریق کلینی مروی ہے اور اس طریق سے ضعیف ہے لیکن علامہ صدوقؒ نے اس کو سلیمان بن خالد کے واسطے سے نقل کیا ہے اور اس طریق سے صحیح و معتبر ہے روایت یہ ہے۔

عن عدۃ من اصحابنا، عن سھیل بن زیاد، عن محمد بن عیسیٰ عن ابی عبد اللّٰہ المؤمن عن ابن مکان، عن سلیمان بن خالد عن ابی عبد اللّٰہؑ قال: اتقوا الحکومۃ انما ھی للامام العالم بالقضاء العادل فی المسلمین؛ لنبی (کنبی) او وصی نبی۔ رواہ الصدوقؒ باسنادہ عن سلیمان بن خالد[1]

امام فرماتے ہیں حکومت (قضاوت) سے اجتناب کرو کیونکہ حکومت صرف اس امام کے لئے ہے جو قضاوت کا عالم ہو، مسلمانوں کے درمیان عادل ہو، نبی ہو یا وصی نبی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ قاضی کو پہلے تو امام یعنی رئیس و پیشوا ہونا چاہیئے۔ یہاں پر یہی لغوی معنی یعنی رئیس و پیشوا مراد ہیں۔ اس لئے نبی کو امام ہی فرض کیا گیا ہے؛ اگر اصلاحی معنی مراد ہوتے تو امام کے لئے عادل و عالم کی قید بیکار ہو جائے گی کیونکہ امام تو عادل ہوتا ہی ہے) دوسری شرط یہ ہے کہ آئین قضاوت کا عالم ہو اگر امام ہو اور آئین قضاوت کا عالم نہ ہو تو اس کو حق قضاوت نہیں حاصل ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عادل ہو؛ لہٰذا قاضی وہی ہو سکتا ہے جس کے اندر یہ تینوں صفتیں؛ رئیس، عالم، عادل موجود ہوں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ یہ شرائط تمام

---

[1] وسائل، کتاب قضاء، باب ۳، حدیث ۳، ۱۸/۷ طبع جدید ۱۲

نبی یا وصی نبی کسی اور پر منطبق نہیں ہو سکتے۔

یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ منصب قضا، فقیہہ عادل کے لئے ہے اور یہ بات مفروضات متقدمیں سے ہے اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے اب ہمیں دیکھنا ہے کہ قضاوت کے شرائط فقیہہ میں موجود ہیں کہ نہیں یہ تو معلوم ہے ہی کہ فقیہہ عادل مراد ہے۔ ہر فقیہہ مراد نہیں ہے۔

لیکن چونکہ ہر فقیہہ طبعاً آئینِ قضا کا عالم ہوتا ہے اور فقیہہ کا اطلاق اسی شخص پر ہوتا ہے جو آئینِ قضا کے عالم ہونے کے ساتھ عقائد و قوانین و نظاماتِ اخلاق کا بھی عالم ہو۔ یعنی تمام معنی الکلمہ دین شناس ہو۔ فقیہہ عادل بھی ہو تو دو شرطیں پوری ہو گئیں اب صرف ایک شرط رہ گئی کہ امام کو رئیس بھی ہونا چاہیئے اور ہم یہ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ فقیہہ عادل بحسب تعیین ائمہؑ قضاوت کی امامت و ریاست کا دارا ہوتا ہے۔ اب امام کا یہ فرمانا کہ یہ شرط، عالم عادل رئیس، صرف نبی یا وصی نبی میں پائے جاتے ہیں۔ صاف صاف بتاتا ہے کہ علماء وصی نبی ہیں کیونکہ نبی تو ہیں نہیں لہٰذا وصی ہوں گے۔ لہٰذا مجہول کا علم، معلوم کے ذریعہ ہو گیا کہ فقیہہ رسول اکرمؐ کا وصی ہے، اور زمانِ غیبت میں امام المسلمین و رئیس الملت ہے، اسی کو قاضی ہونا چاہیئے اس کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے۔

رویدادہائے اجتماعی میں کس کیطرف رجوع کریں

تیسری روایت ایک توقیع مبارک ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ میں کیفیت استدلال کو عرض کروں گا۔

فی کتاب (اکمال الدین و اتمام النعمۃ) عن محمد بن عصام عن محمد بن یعقوب عن اسحاق بن یعقوب قال: سألت محمد بن عثمان العمری ان یوصل لی کتابا قد سئلت فیہ عن مسائل اشکلت علی فورد التوقیع بخط مولانا صاحب الزمانؑ

اما ما سألت عنہ ارشدک اللہ ـ الی ان قال. و اما الحوادث الواقعۃ فارجعوا فیہا الی رواۃ حدیثنا فانہم حجتی علیکم و انا حجۃ اللہ و اما محمد بن عثمان العمری رضی اللہ عنہ و عن ابیہ فانہ ثقتی و کتابہ کتابی"۔ط

اسحاق بن یعقوب نے حضرت حجتؑ کو ایک خط لکھ کر کچھ مشکل مسائل کا حل دریافت کیا محمد بن عثمان عمری، نمائندہ حضرتؑ نے خط حضرتؑ تک پہنچا دیا تو حضرتؑ نے اپنے قلم سے خط کا جواب تحریر کیا۔ حوادث واقعہ اور پیش آمدہا میں تم ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ وہ لوگ تمہارے اوپر میری طرف سے حجت ہیں۔ اور میں خدا کی طرف سے حجت ہوں۔

اس روایت میں "حوادثِ واقعہ" سے مسائل و احکام شرعیہ تو مراد ہیں نہیں۔ سائل یہ نہیں پوچھ رہا ہے کہ تازہ مسائل جو درپیش ہوں ان میں کیا کیا جائے؟ کیونکہ یہ بات تو مذہبِ شیعہ کے جزوِ صفات میں سے ہے، اور متواتر روایات موجود ہیں کہ مسائل میں فقہا کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ زمانِ ائمہ میں بھی لوگ فقہا کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حضرت حجتؑ کے زمانہ میں نوابِ اربعہ سے رابطہ رکھنے والے اور حضرتؑ کو خط لکھنے والے کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ مسائل کس سے پوچھنا چاہیئیں۔

اس لئے "حوادثِ واقعہ" سے وہ پیش آمدہائے اجتماعی میں کیا کریں؟ ہمارا فرض کیا ہے؟ یا پھر یہ کہ حوادث کا ذکر خط میں کر کے پوچھا گیا ہو کہ ان حوادث میں ہم کس کیطرف رجوع کریں؟

جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بطور کلی سوال تھا، اسی کے مطابق حضرتؑ نے

ط وسائل ۱۸/۱۰۱ کتاب القضا باب ۱۱ حدیث ۹۔ شیخ طوسی نے کتاب الغیبۃ میں اور طبرسیؒ نے الاحتجاج میں روایت کی ہے ۱۲

جواب دیا کہ حوادث و مشکلات میں ہمارے رواۃ حدیث یعنی فقہا کی طرف رجوع کرو۔ وہ لوگ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں تم پر حجۃ خدا ہوں۔ حجۃ خدا سے کیا مراد ہے؟ آپ حجۃ خدا سے کیا سمجھتے ہیں؟ یعنی خبر واحد حجت ہے؟ اگر زرارہ کوئی روایت نقل کردیں تو وہ حجت ہے؟ کیا حضرت زرارہ کی طرح ہیں کہ اگر رسولؐ کوئی روایت نقل کردیں تو ہم اس کو قبول کریں اور اس پر عمل کریں؟

یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ولی امر" حجتِ خدا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مسائل شرعیہ میں حجت ہے کہ ہمارے مسائل بیان کریں۔؟ اگر رسولِ خدا مرتے وقت فرمائیں۔" میں علیؑ کو تمہارے اوپر حجت معین کرکے جا رہا ہوں تو اس سے آپ کیا سمجھیں گے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام کام معطل ہوگئے؟ صرف مسئلہ گوئی باقی ہے وہ علیؑ کے سپرد کرکے جا رہا ہوں؟ یا حجتِ خدا کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح رسولِ اکرم تمام دُنیا کے مرجع تھے۔ خدا نے ان کو معین کیا تھا کہ تمام لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔ اسی طرح فقہا بھی مسئول اور تمام لوگوں کے تمام امور میں مرجع ہیں۔

حجتِ خدا اس کو کہتے ہیں جسے خداوندِ عالم نے تمام امور کی انجام دہی کے لئے معین کیا ہے اور اس کے تمام افعال واقوال مسلمانوں کے لئے حجت ہیں، اگر کوئی اس کی مخالفت کرے تو اس پر احتجاج کیا جا سکتا ہے، اگر اس نے حکم دیا کہ فلاں کام انجام دو، حدود کو اس طرح جاری کرو، غنائم، زکوٰۃ، صدقات کو ان مصارف میں خرچ کرو۔ اور آپ اس کے حکم سے سرتابی کریں تو قیامت کے دن خدا آپ پر احتجاج کرے گا۔ اگر حجتِ خدا کی موجودگی میں کوئی حل و فصل کے لئے ظالمین سے رجوع کرے گا تو روزِ قیامت خدا اس سے احتجاج کرے گا کہ میں نے تمہارے لئے حجت قائم کردی تھی پھر تم نے ظالمین کی طرف کیوں رجوع کیا؟ حضرت علیؑ کے ہوتے ہوئے ان سے حجت نہ کرنے والوں سے خلفا ثلاثہ

معاویہ، خلفاء بنی امیہ، خلفاء بنی عباس اور جو لوگ ان کے حسب منشاء کام کیا کرتے تھے (ان سب سے) احتجاج کیا جائے گا کہ تم نے زمامِ حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیوں کیا؟ جب تم میں اہلیت نہیں تھی تو خلافت و حکومت پر کیوں قابض ہوئے؟

حکامِ جور اور تمام ان حکومتوں سے جو موازینِ اسلام کے خلاف عمل کرتی رہی خدا ان سے بازپرس کرے گا کہ تم نے کیوں ظلم کیا۔ مسلمانوں کے اموال پر کیوں قابض ہوئے؟ جشنِ ہزار سالہ تم نے کیوں برپا کیا؟ لوگوں کے مال کو جشنِ تاج پوشی اور اس قسم کے جشنوں پر کیوں خرچ کیا؟ اگر جواب دیا جائے کہ آجکل عدالت ممکن نہیں تھی، قبہ و بارگاہ، بلند عمارتوں کے بغیر عدالت ممکن نہیں تھی جشنِ تاج پوشی کا مقصد یہ تھا کہ یہاں کی دولت اور اپنی ترقی کا پروپیگنڈہ کروں تو کہا جائے گا یہ بھی۔ حضرت علیؑ کی طرف اشارہ ہے۔ تو حاکم تھے، اتنی بڑی سلطنتِ اسلامی کے حاکم تھے، اسلام، مسلمان، بلادِ اسلامی کی عظمت و خیرخواہی تم زیادہ چاہتے تھے یا یہ مرد۔ تمہاری حکومت بڑی تھی یا ان کی۔ ؟ تمہاری تو ان کی حکومت کا ایک جزو تھی۔ عراق، مصر، حجاز، ایران، یہ سب ان کی حکومت میں داخل تھے۔ اسکے باوجود ان کا "دارالامارۃ" مسجد تھی۔ گوشۂ مسجد میں "دکۃ القضاء" تھا۔ مسجد سے سپاہی تیار ہوکر جنگ کے لئے جاتے تھے۔ پابندِ صوم صلوٰۃ باعقیدہ حضرات جنگ کے لئے جاتے تھے (اسی لئے) تم نے دیکھا کہ انہوں نے کتنی پیش رفت کی، اور کیسے کیسے کام انجام دیئے؟ آج فقہاء اسلام لوگوں پر رسولِ خدا کی طرح حجت ہیں، تمام امور ان سے متعلق ہیں۔ ان کی مخالفت کرنے والے سے بازپرس ہوگی۔

فقہاء امام کی طرف سے لوگوں پر حجت بنائے گئے ہیں۔ حکومت، امورِ مسلمین، عوامی آمدنی کا لینا اور خرچ کرنا، ان تمام امور میں، جو ان کی مخالفت کریگا،

اس سے باز پرس ہوگی۔ جس روایت کا ذکر ہے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اس کی سند محل تامل ہے۔ اگر اس کو دلیل نہ بھی مانا جائے تو موید بہر حال کہا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید کی چند آیتیں

مقبولہ عمر بن حنظلہ بھی ہمارے موضوع بحث کی موید ہے چونکہ اس روایت میں آیت سے استدلال ہے، اس لئے وہ آیت اور اس سے پہلے کی چند آیات کو لکھ کر ان کے معنی کا ذکر کر دیا جائے تاکہ اس کے حدود معلوم ہو جائیں پھر روایت کو ذکر کرکے اس سے استدلال کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعاً بصیراً ۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ذلک خیر واحسن تاویلا[1]

خدا حکم دے رہا ہے۔ امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچا دو۔ اگر لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ، خدا تم کو بہترین نصیحت کرتا ہے۔ بیشک وہ سمیع بصیر ہے۔ ایمان والو! خدا، رسولؐ، صاحبان امر کی اطاعت کرو اگر کسی چیز میں نزاع ہو جائے تو

---

[1] سورۃ النساء آیت ۵۸، ۵۹ = ۱۲

خدا و رسول کے سامنے پیش کرو اگر خدا اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہو۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ انتہیٰ

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امانت سے مطلق امانت خلقی ۔ مال مردم ۔ اور امانت خالق یعنی احکام شرعیہ ۔ مراد ہے اور " رد امانت" سے واقعی احکام اسلامی کا اجراء کرنا مراد ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امانت سے امامت مراد ہے روایت میں بھی ہے کہ اس آیت سے ہم ائمہ مراد ہیں کہ خداوند عالم نے والیان امر ۔ یعنی رسول اکرمؐ ولایت کو حضرت علیؑ کے سپرد کر دیں اور وہؑ اپنے بعد کے امام کو اور وہ اپنے بعد والے کو اور یہ ہمیشہ کے لئے حکم ہے۔

ذیل کی آیت میں جو حکم ہے کہ ۔ انصاف سے فیصلہ کرو ۔ اس سے مراد حاکمان وقت ہیں ۔ قاضی مراد نہیں ہے۔ کیونکہ قاضی تو قضاوت کرتا ہے نہ کہ تمام معنی الکلمہ حکومت کرتا ہے نہ حکم اجرائی (اس لئے قاضی مراد نہیں ہو سکتا۔ مترجم) جیسا کہ آخری زمانے میں طریقہ حکومت یہ ہے کہ تین گروہ حاکم ہوتے ہیں۔ قاضی ان میں سے ایک گروہ ہے جو حاکم ہے لیکن تمام حکومت وہ نہیں کرتا۔ دو باقی گروہوں میں ایک تو وزیروں کا گروہ حاکم ہوتا ہے اور دوسرا مجلس (برنامہ ریزان وقانون گزاران) کا ہے۔ اصولی طور پر قضاوت رشتہ ہائے حکومت کا ایک رشتہ اور حکومتی کاموں میں سے ایک کام ہے لہٰذا ہم کو اس بات کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ آیت کا ظہور مسائل حکومت میں ہے اور یہ آیت قاضی اور جملہ حکام کو شامل ہے، جب یہ طے کر لیا گیا کہ تمام امور دینی کا نام امانت ہے اور امانت اس کے اہل کو ملنی چاہیئے تو ان میں سے ایک حکومت ہے (جو فقہا کو ملنی چاہیئے) ———— اور بعد جب

آیت شریفہ حکومت کا ہر امر میزان عدالت پر پورا اترنا چاہیئے۔ قاضی کو باطل حکم نہیں دینا چاہیئے، یعنی غیر اسلامی آئین کے مطابق حکم نہ کرے اس طرح برنامہ ریزان کو چاہیئے

کسانوں پر بطور عادلانہ ٹیکس معین کریں ایسا نہ ہو کہ ٹیکس اتنا زیادہ ہو کہ ان کی بربادی کا سبب بن جائے اس طرح حُدود کرنے والے قانون اسلام سے سرمو تجاوز نہ کریں یعنی ایک طمانچہ زیادہ نہ ماریں اہانت نہ کریں۔

حضرت امیرالمومنینؑ دو چوروں کے ہاتھ کٹوا دینے کے بعد ان سے اس طرح پیش آتے ہیں کہ ان کا ایسا علاج معالجہ کرتے ہیں کہ وہ دونوں حضرتؑ کے مداحوں میں ہو جاتے ہیں۔ یا جس وقت کہنے پر سُنا کہ معاویہ کے سپاہی نے اہل ذمہ کی عورت کے ایک پیر کی جھانجھ اتار لی تو آپ کو اتنی تکلیف ہوئی اور اتنا متاثر ہوئے کہ فرمایا۔ اس واقعے سے متاثر ہو کر اگر کوئی مر جائے تو قابل ملامت نہیں ہے، اس نرم دلی و محبت کے باوجود تلوار کھینچ کر مفسد افراد کو قتل کرنے میں کوئی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ اسی کو عدالت کہتے ہیں۔ یہ معنی عدالت ہے۔

رسول اکرم حاکم عادل ہیں۔ اگر آپ حکم دیں۔ وہ فلاں چیز کو لے لو فلاں گھر میں آگ لگا دو۔ فلاں گروہ جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مضرت رساں ہے اسے قتل کر دو۔ تو یہ حکم مبنی بر عدالت ہوگا (بلکہ) اگر ایسے مواقع پر حضرتؐ اس قسم کا حکم نہ دیں تو خلاف عدالت ہوگا۔

مسلمانوں اور اسلامی معاشرہ پر حکومت کرنے والے کے لئے جہت عمومی اور مفادِ عامہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا واجب و لازم ہے۔

جہتِ خصوصی عطوفت شخصی سے چشم پوشی کرنی چاہیئے۔ اسی لئے اسلام معاشرہ کے مفاد کے پیش نظر بہت سے لوگوں کو قتل کرا دیتا ہے، خود پیغمبرؐ اسلام نے بنی قرنطیہ" کے یہودیوں کو۔ چونکہ یہ لوگ ناپسندیدہ عناصر تھے معاشرہ اسلام کو نقصان پہنچانے والے تھے" قتل کرا دیا تھا۔

عدالت کی جگہ پر باکمال جسارت و قدرت، اجرائے عدالت کرنا اور کسی بھی

نرم دلی کو دخل نہ دینا (اسی طرح) رحم و نرم دلی کے موقع پر کمالِ محبت و شفقت سے پیش آنا، یہ دونوں باتیں مومن کے صفات میں داخل ہیں، مومن کو لوگوں کے لئے جائے پناہ ہونا چاہیئے۔ اسلامی و غیر اسلامی معاشرہ اس کے سایۂ حکومت میں امن و آسائش کے زندگی بسر کر سکے، کسی قسم کا خوف اس کو نہ ہو، یہ سب باتیں ضروری ہیں۔ (آجکل) لوگ جو حکام وقت سے ڈرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حکومت قواعد و قوانین کے ماتحت نہیں۔

البتہ حضرت علیؑ کی شخصی حکومت میں۔ یعنی اسلامی حکومت میں۔ خائن، ظالم تعدی کرنے والوں کے لئے تو خوف تھا، لیکن عام لوگوں کو کسی بھی قسم کا خوف و ہراس نہیں ہوا کرتا تھا۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے "ایمان والو! خدا و رسولؐ اور اولیائے امر کی اطاعت کرو۔" روایت میں ہے کہ آیت اوّل "ان تؤدوا الامانات الی اھلھا.... ائمہ سے مربوط ہے۔ اور آیت۔ اذا حکمتم بین الناس.... امراء سے مربوط ہے اور یہ آیت۔ اطیعوا اللّٰہ" میں خدا اور رسولؐ و ائمہؑ کی اطاعت و پیروی کریں۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اوامر خدا کی اطاعت رسولِ اکرم کی اطاعت سے الگ ہے، تمام عبادات اور غیر عبادات۔ احکام شرع الہٰی۔ خدا کے احکام ہیں۔ نماز میں رسولِ خدا کا کوئی حکم نہیں ہے۔ لوگوں کو نماز کے لئے آمادہ کرنا، حکم خدا کی تائید اور اس کا اجراء ہے ہم بھی نماز پڑھنے میں خدا کی اطاعت کرتے ہیں۔ رسول کی اطاعت خدا سے الگ ہے۔ رسولِ خدا کے احکام وہ ہیں جو خود حضرت صادر فرمائیں اور حکومتی حکم ہو۔ مثلاً" لشکر اُسامہ کی پیروی کرو۔ سرحدوں کو اس طرح محفوظ رکھو، مالیات کو یوں جمع کرو، لوگوں سے یوں معاملت کرو" خود خداوند عالم نے ہمارے اوپر رسولؐ کی اطاعت لازم قرار دی ہے۔ اسی طرح ائمہؑ کی اطاعت

بھی لازم قرار دی ہے کیونکہ مذہب شیعہ میں اولی الامر سے مراد ائمہؑ ہیں۔ حکومتی احکام میں ولی امر کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت سے علیحدہ بات ہے۔ ہاں اس لحاظ سے کہ خدا نے رسول و ائمہؑ کی اطاعت کا حکم دے دیا ہے لہٰذا ان حضرات کی اطاعت بھی درحقیقت خدا ہی کی اطاعت ہے۔ اسی آیت کے بعد ارشاد ہے فان تنازعتم فی شئی فردوہ۔ اگر باہم کسی بات پر نزاع ہو جائے تو خدا و رسول کی طرف رجوع کرو۔

لوگوں میں واقع ہونے والی نزاع کی دو قسمیں ہیں (۱) دو گروہ یا دو آدمیوں میں کسی بات پر نزاع مثلاً ایک کہتا ہے میرا قرض ہے، دوسرا انکار کرتا ہے۔ ایسی جگہوں پر قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ قاضی موضوع کی تحقیق کر کے حکم دے گا۔ اس قسم کے جھگڑوں کو "نزاع حقوقی" کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم ظلم و جنایت کا مسئلہ ہے مثلاً کسی نے کسی کا مال زبردستی لے لیا۔ یا لوگوں کے مال کو ہضم کر لیا، چور نے مال چرا لیا، یہاں پر مسئول قاضی نہیں ہے بلکہ مدعی العموم مسئول ہے اور یہ موارد جزائی کہلاتے ہیں کبھی جزائی اور حقوقی ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ ابتداء میں مدعی العموم۔ جو احکام و قوانین کا حافظ ہے اپنا کام شروع کرتا ہے، پھر قاضی تحقیق کر کے حکم کرتا ہے، اور یہ سارے احکام حقوقی ہوں یا جزائی۔ اجراء کرنے والے حکام کے ذریعہ اجراء ہوتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے اذا تنازعتم... الخ جس امر میں بھی اختلاف ہو۔ احکام میں مرجع خدا اور اجراء میں۔ رسول اکرمؐ ہیں۔ رسولؐ کا فریضہ ہے کہ خدا سے احکام لے کر اجراء کریں۔ اگر اختلافی موضوع ہوتا تھا تو اپنے زمانے میں۔ پیغمبر بعنوان قاضی دخل دیتے تھے اور فیصلہ فرماتے تھے اور اگر دوسرے مسائل ہوتے تھے، مثلاً حق کشی وغیرہ، تو اس میں بھی مرجع حضورؐ ہی ہوتے تھے۔ کیونکہ اسلامی حکومت کے رئیس ہونے کے ناتے آپ ہی فیصلہ کرتے تھے۔ مانو

کو بھیج کر حق لے کر حقدار تک پہنچاتے تھے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ جن امور میں رسول خدا مرجع تھے۔ ان سب میں ائمہ معصومین بھی مرجع تھے، اور ائمہ کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت ہے۔

مختصر یہ کہ آیت اوّل۔ اذا حکمتم بین الناس۔ اور آیت دوم۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ اور آیت۔ اذا تنازعتم فی شئی۔ حکومت و قضاوت دونوں کو شامل ہے۔ صرف قضاوت سے مخصوص نہیں ہے۔ اس بات سے قطع نظر کر بعض آیات کا ظہور حکومت بمفہوم اجرائی میں ہے

اس کے بعد ہے۔

الم تر الی الذین یزعمون انھم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ....

(ترجمہ) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آپ پر نازل شدہ اور آپ سے پہلے نازل شدہ چیزوں پر ایمان لاتے ہیں وہ طاغوت۔ ناجائز حکومت۔ سے داد خواہی کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ طاغوت کا انکار کریں۔ اگر ہم یہ بھی نہیں کہیں کہ طاغوت سے حکومت الٰہی کے مقابلے میں سلطنت و حکومت قائم کرنے والی حکومتیں بطور کلی مراد ہیں، پھر بھی اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ یہ آیت قضاوت و حکام کو شامل ہے، کیونکہ دادرسی اور احقاق حقوق کے لئے مقامات قضا کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے اور پھر حکم قضا کو حکام اجراء کرتے ہیں۔ حکومت ہائے جور۔ خواہ قضات ہوں یا اجرا کرنے والے یا دوسری اصناف سب کے سب۔ طاغوت ہیں کیونکہ یہی لوگ حکم خدا سے سرکشی کر کے اپنی حسب مرضی قوانین وضع کر کے اس کے مطابق قضاوت کرتے ہیں۔ حالانکہ حکم خدا ہے کہ ان سے انکار کرو اور یہ بات بدیہی ہے کہ طاغوت کے منکرین کے اہم فرائض جن کو حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

مقبولہ "عمر بن حنظلہ"

اب میں عمر بن حنظلہ کی روایت کے بارے میں گفتگو کروں گا، اس سے کیا مراد ہے چنانچہ اصل حدیث ملاحظہ ہو۔

محمد بن یعقوب، عن محمد بن یحیی، عن محمد بن الحسین، عن محمد بن عیسی، عن صفوان بن یحیی، عن داؤد بن الحصین، عن عمر بن حنظلہ قال: سألت ابا عبداللہ علیہ السلام عن رجلین من اصحابنا بینهما منازعة فی دین او میراث فتحاکما الی السلطان والی القضاة أیحل ذلک؟ قال: من تحاکم الیهم فی حق او باطل فانما تحاکم الی الطاغوت وما یحکم له فانما یأخذه سحتاً وان کان حقاً ثابتاً له، لانه اخذه بحکم الطاغوت وما امر اللہ ان یکفر به، قال اللہ: یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به. قلت فکیف یصنعان؟ ینظران من کان منکم ممن قد روی حدیثنا ونظر فی حلالنا وحرامنا وعرف احکامنا.. فلیرضوا به حکماً فانی قد جعلته علیکم حاکماً

ترجمہ:۔ عمر بن حنظلہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دو ایسے دوستوں (شیعوں) کے بارے میں امام جعفر صادق سے پوچھا کہ ان لوگوں نے قرض یا میراث کے جھگڑے میں بادشاہِ وقت اور قاضی کی طرف رجوع کیا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ حضرت نے فرمایا: [۱] جو بھی حق یا ناحق

[۱] وسائل ج ۱۸ باب ۱۱ "از کتاب" ابواب صفات القاضی" روایت اول ص ۹۹ = ۱۲

بات میں ان لوگوں سے اپنا فیصلہ کرائے، اس نے درحقیقت طاغوت کی طرف رجوع کیا ہے اور جو کچھ بھی ان کے حکم سے حاصل کرے گا۔ چاہے وہ حق ہی ہو پھر بھی حرام رہے گا۔ کیونکہ اسے طاغوت کے حکم سے اس نے حاصل کیا ہے جس سے انکار کا حکم خدا نے دیا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہے یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به

میں نے پوچھا، پھر کیا کرنا چاہیے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اپنے لوگوں میں دیکھو اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو ہماری حدیثوں کا راوی ہو اور ہمارے حلال و حرام کو پہچانتا ہو، ہمارے احکام و قوانین کی معرفت رکھتا ہو اس کو تم لوگ اپنا قاضی معین کرو، وہ جو حکم دے اس پر عمل کرو اس لئے کہ میں نے اس کو تم پر حاکم بنایا ہے۔

آیت کے صدر و ذیل اور امام کا آیۂ شریفہ سے استشہاد کرنا بتاتا ہے کہ موضوعِ سوال حکم کلی تھا اور امام نے بھی تکلیفِ کلی کو بیان کیا۔ میں نے پھر پوچھا کہ حقوقی اور جزائی جھگڑوں میں بادشاہانِ وقت اور ناجائز حکومتوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا۔ ناجائز حکومتوں کی طرف رجوع کرنا چاہے وہ جھگڑے اجرائی ہوں یا تقضائی "ناجائز" ہے۔

حضرت حکم دے رہے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کو اپنے معاملات میں سلاطین، حکامِ جور اور ان کے قاضیوں کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ چاہے حق بات ہو اور صرف حصولِ حق کی خاطر یہ اقدام کیا گیا ہو۔ کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حکامِ جور کی طرف رجوع کرے۔ چاہے اس کے گھر کو جلا دیا گیا ہو۔ یا اس کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے کسی کو قرض دیا ہے اور اس کے پاس گواہ بھی موجود ہے۔ پھر بھی وہ ظالم حکومتوں کی طرف اپنا حق حاصل کرنے کے لئے رجوع نہیں کرسکتا، کیونکہ لوگوں کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنا ہے اور اگر کسی نے ان حکامِ جور کے واسطے سے اپنے حقوق کو بھی حاصل کرلیا ہے تو وہ حرام ہے اور یہ شخص اس میں تصرف نہیں کرسکتا۔ یہاں تک بعض مجتہدین

نے عین اسی شخص کے لئے بھی فرمایا ہے کہ مثلاً اگر کوئی تمہارے عبا لے جائے اور تم حکام جور کے وسیلے سے اس عبا کو واپس بھی لے لو، جب بھی اس پر تصرف نہیں کر سکتے ہم اس حکم کے قائل نہیں ہیں جب بھی عین مسئلے کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، مثلاً اگر کوئی اپنے قرض کو حکام جور کے وسیلے سے حاصل بھی کر لے تو اس پر تصرف نہیں کر سکتا۔

اسلام کا سیاسی حکم

یہ اسلام کا سیاسی حکم ہے کہ اس حکم کے سبب سے مسلمانوں کو حکام جور کی عدالت کے ملبے چھوڑے اور پریشان کر دینے والے ذرائع خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ آج کل کی عدالتوں میں سوائے زحمت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اگر لوگ ظالم حکومتوں سے پرہیز کرنے لگیں تو ائمہ معصومین اور ان کی طرف سے معین کئے ہوئے علماء اور مجتہدین کی طرف خود بخود راہ کھل جائے گی۔ حضرت کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ ظالم بادشاہ اور قاضیوں کی طرف لوگ جانے نہ پائیں۔ اس سے ملت اسلام کو یہ بتا دیا کہ لوگ تمہارے مرجع نہیں ہیں۔ خداوند عالم نے ان سے بچنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اگر تم لوگ ان کے منکر ہو اور ان کو نالائق و ظالم سمجھتے ہو تو پھر ان کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہئے۔

علماء اسلام مرجع امور ہیں

اب ملت اسلام کی تکلیف کیا ہے؟ اپنے تنازعات پر یہ کیا کریں؟ کس کی طرف رجوع کریں؟ معصوم نے فرمایا۔ اختلافات میں جو لوگ حسب قواعد حلال خدا کو جانتے ہیں، میزان عقلی اور شرعی سے ہمارے احکام کی معرفت رکھتے ہیں۔ ہمارے ان راویان حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے، امام نے بالکل واضح لفظوں میں فرما دیا، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ محدثین بھی مرجع اور حاکم ہیں۔ تمام مراتب کو ذکر کر کے یہ قید لگا دی کہ مطابق قواعد حرام و حلال اور احکام کی معرفت رکھتا ہو، اصول کا عالم ہو۔ تاکہ تقیہ یا اور کسی بنا پر جو روایتیں خلاف واقعہ آگئی ہیں ان میں تمیز دے سکے۔ اور یہ بات تو واضح ہے کہ حدیث کی شناخت اور احکام کی معرفت الگ چیز ہے۔ حدیث کا نقل کرنا الگ بات ہے

علماء حکومت کیلئے معین ہیں

امام فرماتے ہیں جس شخص میں مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں اس کو ہم نے تم پر فرمانروا بنایا ہے اور امور حکومتی اور قضائی کے لئے میری طرف سے وہی شخص معین ہے۔ مسلمانوں کو انکے علاوہ کسی اور کی طرف رجوع کرنے کا حق نہیں ہے۔

اسی بنا پر اگر کوئی تمہارا مال کھا لے تو تم ایسے شخص سے شکایت کرو جسے امام نے معین کیا ہے۔ اسی طرح اگر قرض کے بارے میں جھگڑا ہے۔ اور اس کا اثبات

مقصود ہے تو اس میں حضرت کے معین کئے ہوئے قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ کسی اور کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ یہ بر بنیہ تمام مسلمانوں کا ہے ایسا نہیں ہے کہ عمر ابن حنظلہ کو کوئی مشکل در پیش ہوئی تھی اور امام نے صرف انھیں کیلئے حکم دیا ہو۔ امام کا یہ فرمان بطورِ عموم کلی ہے۔ اپنی ظاہری حکومت کے زمانے میں جس طریقے سے حضرت علیؑ حاکم، والی اور قاضی معین فرمایا کرتے تھے اور تمام مسلمانوں پر لازم تھا کہ ان کی اطاعت کریں۔

اسی طرح امام جعفر صادقؑ بھی رئیسِ امر ہیں، تمام علماء و فقہا اور دنیا کے لوگوں پر حکومت رکھتے تھے۔ آپ کو یہ حق ہے اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد حاکم و قاضی معین فرمائیں۔ چنانچہ آپنے یہ کام کیا، اور اس منصب کو فقہاء کے لئے مخصوص کر دیا اور حاکماً کا لفظ کہہ کر یہ بتا دیا کہ فقط امور قضائی مقصود نہیں ہیں بلکہ تمام امورِ حکومتی سے ربط ہے۔

روایت کے صدر ذیل سے اور اس آیت سے جس کو حدیث میں ذکر کیا گیا ہے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ صرف قاضی کا معین کرنا مقصود نہیں ہے کہ امام فقط قاضی کو مقرر کر رہے ہوں اور دیگر تمام امور میں مسلمانوں کی کوئی تکلیف معین نہ فرمائی ہو۔ یہ روایت بہت واضح ہے۔ اس کی سند و دلالت میں کوئی شبہ نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی شک ہے کہ امام نے حکومت اور قضاوت کے لئے فقہا کو معین فرمایا ہے تمام مسلمانوں پر امام کے اس حکم کی پابندی لازم ہے۔

اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لئے اور دوسری روایات سے تائید کے لئے میں ابی خدیجہ کی روایت کو بیان کرتا ہوں۔

محمد بن حسن باسنادہ عن محمد بن علی بن محبوب، عن

احمد بن محمد، عن حسین بن سعید عن ابی الجہم، عن ابی خدیجہ قال: بعثنی ابو عبد اللہ (ع) الی اصحابنا فقال: قل لہم ایاکم اذا وقعت بینکم الخصومۃ او تداری فی شیء من الاخذ والعطاء ان تحاکموا الی احد من ھؤلاء الفساق اجعلوا بینکم رجلا قد عرف حلالنا وحرامنا فانی قد جعلتہ علیکم قاضیا وایاکم ان یخاصم بعضکم بعضا الی السلطان الجائر

(وسائل ۱۸/۱۰۰، روایت ۶)

ابو خدیجہ۔ امام جعفر صادق کے معتمد اصحاب میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے مجھے حکم دیا کہ حضرت کی طرف سے ان کے شیعوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر کبھی تم لوگوں میں لڑائی جھگڑا ہو جائے یا لینے دینے کے معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اس فاسق جماعت کی طرف فیصلہ کے لئے رجوع مت کرنا بلکہ تم میں جو شخص ہمارے حلال و حرام کو سمجھتا ہو اس کو اپنا حاکم بنا لینا کیونکہ میں نے ایسے شخص کو تمہارے اوپر قاضی معین کیا ہے۔ خبردار تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی شکایت بادشاہِ ظالم تک نہ پہنچائے۔

روایت میں تداری فی شیء کے لفظ سے اختلاف حقوق مراد ہے یعنی اختلاف حقوق میں ان فاسقین کی طرف رجوع نہ کرنا اور حضرت کے اس جملہ (میں نے تمہارے اوپر قاضی مقرر کیا ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسقین سے مراد وہ قاضی لوگ ہیں جو حاکم وقت کی طرف سے منصبِ قضا پر فائز تھے۔ حدیث کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں "اپنے جھگڑوں میں ظالم بادشاہ کی طرف رجوع نہ کرنا یعنی وہ امور جو قدرت اجرائی سے مربوط ہیں ان میں ان کی طرف رجوع نہ کرنا اگر سلطان جائر بطور کلی آیا ہے اور تمام غیر اسلامی حکومت کو شامل ہے اور حکومت کے تینوں گروہ

کو بھی شامل ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے (اور پہلے بھی قضاتِ جائز سے مراجع کو روکا گیا ہے) تو معلوم ہوگا کہ اس ممانعت کا تعلق اجرا کرنے والوں سے ہے۔ آخری جملہ پہلے والے مطلب کی تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلے قاضی فاسق کی طرف رجوع کرنے سے روکا گیا ہے، اس کے بعد بادشاہوں کی طرف رجوع کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ عمر ابن حنظلہ کی روایت ہے۔ قاضیوں اور بادشاہوں سے انصاف چاہنے کو روکا گیا ہے اس سے بھی اشارہ دونوں باتوں کی طرف ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ اس روایت میں تعیین قاضی کو فرمایا ہے اور عمر ابن حنظلہ کی روایت میں اجرا کرنے والے حاکم اور قاضی کا بھی ذکر ہے۔

کیا علماء منصبِ حکومت سے معزول ہیں؟

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ امام نے اپنی زندگی میں۔ بنا بر اس روایت کے۔ منصب قضاوت کو فقہا کے لئے معین کیا ہے۔ اور بنا بر روایت عمر بن حنظلہ دونوں چیزیں (یعنی ریاست و قضاوت) فقہا کے حوالے کی گئی ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب امام دنیا سے رحلت کر جائیں تو کیا فقہا خود بخود اس عہدے سے معزول ہو جائیں گے؟ تمام وہ قاضی اور حاکم جنہیں ائمہ نے معین کیا تھا، ائمہ کے مرنے کے بعد کیا وہ لوگ ریاست قضاوت کے منصب سے معزول ہو جائیں گے یا نہیں؟ اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ وضع ولایت امام دوسروں سے فرق رکھتا ہے اور بنا بر مذہب شیعہ ائمہ کے تمام احکام ان کی زندگی اور ممات کے بعد بھی واجب اور لازم الاتباع ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ وضع مناصب جو دنیا میں لوگوں کے لئے معین کئے گئے ہیں ان کی کیا حیثیت ہے؟

آجکل کی حکومتوں میں چاہے وہ شاہی ہوں یا جمہوری یا کسی اور طرح کی، اگر

رئیس جمہوریہ یا بادشاہ وقت مر جاتا ہے یا انقلاب آ جاتا ہے تو منصب نظامی ختم نہیں ہو جاتا۔ مثلاً سپہ سالار اپنے عہدہ سے ہٹ نہیں جاتا یا سفیر سفارت سے معزول نہیں ہو جاتا، وزراء اپنی جگہ سے نہیں ہٹ جاتے بلکہ سب اپنے عہدوں پر باقی رہتے ہیں البتہ بعد میں آنے والا بادشاہ یا رئیس جمہوریہ ان لوگوں کو ان کے عہدہ سے ہٹا سکتا ہے۔ لیکن بادشاہ یا رئیس جمہوریہ کے مرنے پر یہ عہدے خود بخود ختم نہیں ہوتے۔

ہاں بعض ایسے امور ہیں جو خود بخود ختم ہو جاتے ہیں مثلاً اجازۂ حسبیہ یا مجتہد کسی کو کسی شہر کی وکالت دے دے تو مجتہد کے مرنے کے بعد یہ چیزیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ لیکن اگر فقیہ کسی کو نابالغ بچہ کا نگراں یا وقفی جائداد کا متولی بنا دے تو فقیہ کے مرنے کے بعد یہ عہدے ختم نہیں ہوتے۔

منصبِ علماء ہمیشہ محفوظ ہے

اس طرح ائمہ نے ریاست و قضاوت جو فقہاء کے سپرد کیا ہے وہ منصب ہمیشہ محفوظ ہے۔ امام چونکہ تمام باتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں غفلت کا امکان نہیں لہذا وہ یہ بات بھی جانتے تھے کہ دنیاوی حکومتوں میں رئیس کے ہٹ جانے سے اشخاص یا عہدے ختم نہیں ہوتے اس لئے اس بات کی تشریح نہیں فرمائی ورنہ اگر ایسا ہوتا کہ امام کے مرنے کے بعد ان کے معین کردہ حکام اپنے عہدے سے برطرف ہو جاتے تو امام یقینی طور پر یہ فرما گئے جاتے کہ فقہاء کے لئے یہ عہدہ اسی وقت تک ہے جب تک میں زندہ ہوں میرے مرنے کے بعد لوگ اپنے عہدہ سے معزول ہو جائیں گے۔ اس لئے اس روایت

کے بنا پر) علماء اسلام معصومین کی طرف سے حکومت و قضاوت کے لئے معین ہیں اور یہ عہدہ علماء کے لئے ہمیشہ محفوظ ہے۔ اب رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے بعد والے امام نے اس حکم کو ختم کر دیا ہو۔ اور فقہاء کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا ہو تو یہ بہت نادر ہے۔ کیونکہ امام خود ہی فرماتے ہیں " اپنا حق لینے کے لئے بادشاہوں اور قاضیوں کی طرف رجوع نہ کرنا" ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس کے بعد آیاتِ قرآنی سے استدلال بھی فرمایا ہے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ طاغوت کا انکار کرو۔ اور پھر خود ہی امام لوگوں کے لئے قاضی و حاکم معین کر رہے ہیں اگر بعد والا امام اس عہدہ کو بھی ختم کر دے اور دوسرا حاکم و قاضی بھی نہ معین کرے تو اس وقت مسلمانوں کی تکلیف کیا ہوگی؟ اختلافات میں کس کی طرف رجوع کریں گے جن کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنے کے برابر ہے۔ اور حکمِ خدا کے بھی خلاف ہے۔ یا ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں اور مسلمانوں کا کوئی جائے پناہ نہ ہو جس کا جی چاہے دوسروں کا مال کھا لے۔ دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالے، جو چاہے سو کرے۔

ہمیں یقین ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے جو عہدہ فقہاء کے لئے معین کر دیا ہے اس کو امام موسیٰ کاظمؑ یا ان کے بعد دوسرے اماموں نے ختم نہیں کیا یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ چھٹے امام کے بعد کوئی بھی امام چھٹے امام کے حکم کو توڑ دے اور یہ کہہ دے کہ لینا امور میں فقہاء عادل کی طرف رجوع نہ کرو۔ یا یہ کہہ دے کہ بادشاہانِ وقت کی طرف رجوع کرو۔ یہ کہہ دے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو اور اپنے حقوق کی پامالی دیکھتے رہو ایسا ممکن ہی نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ امام ایک شہر کیلئے قاضی معین کریں اور امام کے انتقال کے بعد دوسرا دوسرا امام قاضی کو معزول کر کے دوسرے شخص کو قاضی بنا دے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ امام اس عہدے کو ہی ختم کر دیں۔ یہ بالکل واضح سی بات ہے۔

جس روایت کا اب میں ذکر کر رہا ہوں، یہ ہمارے مطلب کی مؤید ہے، اگر ہماری

دلیل ان روایات میں سے کسی ایک روایت پر منحصر ہوتی تو اپنے مطلب کو ثابت نہیں کر سکتے تھے، لیکن اصولِ مطلب گزر چکے اور جن روایتوں کو میں نے پہلے ذکر کیا ہے انکی دلالت بھی تمام تھی۔

صحیحۂ قداح

علی ابن ابراهیم، عن ابیه، عن حماد بن عیسیٰ، عن القداح (عبد الله بن میمون) عن أبي عبد الله (ع) قال: قال رسول الله (ص) من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا الى الجنة وان الملائكة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا به وانه ليستغفر لطالب العلم من في السماء ومن في الارض حتى الحوت في البحر، وفضل العالم على العابد كفضل القمر على سائر النجوم ليلة البدر، وان العلماء ورثة الانبياء، ان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا ولكن ورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر (۱)

امام جعفر صادقؑ پیغمبر اسلام کا قول نقل فرماتے ہیں کہ جو طالب علم کے لئے جاتا ہے خدا اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ملائکہ اظہار خوشنودی کے لئے طالب علم کے پیروں کے نیچے اپنے پر بچھا دیتے ہیں زمین و آسمان والے، یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں طالب علم کے لئے استغفار کرتی ہیں۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں شب میں چاند کی فضیلت دوسرے ستاروں پر،

۱۔ کافی ج ۱ باب العالم والمتعلم ح ۲۴ ۔ ۲۔ کافی ۳۲

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء مال و دولت کے بجائے اپنی میراث علم کو قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا جو بھی علم حاصل کرتا ہے وہ بہت زیادہ فائدہ حاصل کرتا ہے۔

اس روایت کے تمام راوی یہاں تک کہ علی بن ابراہیم کے والد ابراہیم بن ہاشمؒ بزرگان ثقات میں سے تھے نیکہ فقط ثقہ ہیں۔ یہ روایت مضمون میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ دوسری سند سے بھی منقول ہے، جو ضعیف ہے یعنی ابوالبختری تک تو سند صحیح ہے۔ خود ابوالبختری ضعیف ہیں۔

روایت ملاحظہ فرمائیے۔

عن محمد بن یحییٰ عن احمد بن عیسیٰ، عن محمد بن خالد، عن ابی البختری عن ابی عبداللہ (ع) قال: ان العلماء ورثۃ الانبیاء ذالک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا، وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ لبشی منھا فقد اخذ حظا وافرا، فانظروا علمکم ھذا عمن تاخذونہ فان فینا اھل البیت فی کل خلف عدولا ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین (۲)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں

علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء کسی قسم کا مال میراث میں نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اپنی احادیث بطور میراث چھوڑ جاتے ہیں۔ اس لئے جو بھی ان کی احادیث سے کچھ حاصل کرے درحقیقت اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ لہٰذا یہ دیکھو کہ تم نے یہ علم کس سے حاصل کیا ہے۔ کیونکہ ہم اہل بیتؑ پیغمبر میں ہر نسل کے اندر کچھ عادل افراد ایسے ہیں جو مبالغہ کرنے والوں کی تحریف، اور باطل پرستوں کی غلط نسبت اور جاہلوں کی تاویل کو دین سے دور کرتے رہتے ہیں۔ (یعنی کہ دین کو ہر قسم کے تغیرات سے پاک کرتے رہتے ہیں۔

روایت کی تحقیق

اس روایت کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد اس روایت سے مرحوم نراقی نے بھی تمسک کیا ہے۔ جملہ "العلماء ورثۃ الانبیاء" کے بارے میں چند بحث کا ذکر کرنا ہے۔

۱۔ علماء سے کون حضرات مراد ہیں؟ امت کے علماء یا ائمہ معصومینؑ؟ بعض کا خیال ہے کہ اس سے ائمہ مراد ہیں۔ مگر بظاہر اس سے امت کے علماء مراد ہیں اور خود حدیث بتاتی ہے کہ اس سے ائمہ مراد نہیں ہیں؟ کیونکہ ائمہ کے جو فضائل وارد ہوتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ جملے۔ انبیاء نے میراث میں حدیثیں چھوڑی ہیں، جو ان کو حاصل کرے اس کو بہت بڑا حصہ مل گیا۔ ائمہ کے لئے نہیں ہو سکتے یہ جملے شاہد ہیں کہ ان سے علماء امت مراد ہیں۔ اسی طرح ابوالبختری والی روایت میں "العلماء ورثۃ الانبیاء" والے جملے کے بعد ارشاد ہے۔ "دیکھو تم اپنا علم کس سے حاصل کر رہے ہو؟" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث تو ہیں لیکن ان کو اس پر توجہ رکھنی چاہیئے کہ وہ اپنے علم کو کس سے حاصل کر رہے ہیں تاکہ انبیاءؑ کے وارث بن سکیں۔ (ظاہر ہے کہ ائمہ کسی سے تعلیم حاصل نہیں کرتے، لہٰذا ائمہ مراد نہیں ہو سکتے۔ مترجم) اب یہ کہنا کہ مراد یہ ہے کہ ائمہ انبیاءؑ کے وارث ہیں؛ اور لوگوں کو ائمہ سے علم حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ بات خلاف ظاہر ہے جس نے بھی ائمہ کے بارے میں آئی ہوئی حدیثوں کو دیکھا ہے۔ اور ان کی منزلت رسول خدا کے نزدیک کیا تھی؟ اس کو جانتا ہے، وہ خود سمجھ لے گا کہ اس سے ائمہ مراد نہیں ہو سکتے بلکہ امت کے علماء مراد ہیں، اور علماء کے لئے اس قسم کے فضائل روایات میں بکثرت موجود ہیں میری

اُمّت کے علماء سابق انبیاء کی طرح ہیں" یا میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں۔"

بہرصورت ظاہر یہی ہوتا ہے کہ اس سے امّت کے علماء مراد ہیں۔ حضرات ائمہ مراد نہیں ہیں۔

۲۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ صرف "العلماء ورثۃ الانبیاء" والے جملے سے ولایت فقیہ کو نہیں ثابت کر سکتے۔ کیونکہ انبیاء ایک نبوت والی جہت بھی رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مبداء اعلیٰ سے وحی، الہام یا کسی دوسری کیفیت کے ساتھ علم حاصل کرتے ہیں۔ لیکن صرف یہ حیثیت۔ یعنی مبدء اعلیٰ سے علم حاصل کرنا۔ عوام الناس اور مومنین پر ولایت کا سبب نہیں بن سکتی (مثلاً) اگر خدا امامت و ولایت کو انبیاء کے لئے نہ قرار دے تو صرف مبدء اعلیٰ سے حصولِ علم کی وجہ سے ان کو حکومت و ولایت حاصل نہیں ہو جائے گی۔ بس وہ نبی رہیں گے مگر حاکم و والی نہ ہوں گے۔ مترجم) اب اگر تبلیغ پر مامور کر دیئے گئے تو ان کو لازم ہے کہ تبلیغ بھی کریں۔ ہمارے یہاں نبی و رسول میں فرق ہے کہ رسول تبلیغ بھی کرتا ہے مگر نبی صرف مطالب کو اخذ کرتا ہے۔ اور چونکہ نبوت اور ولایت کی حیثیت میں فرق ہوتا ہے اور حدیث میں "العلماء ورثۃ الانبیا" کی لفظ آئی ہے۔ یعنی وصف عنوانی نبوت کو قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ وصف مقتضیٔ ولایت تو ہے نہیں اسلئے علماء کیلئے ولایت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اگر یہ ہوتا کہ علماء مثل موسیٰؑ و عیسیٰؑ ہیں تو یہ بات ممکن تھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ تمام حیثیات کے ساتھ ایک ان میں سے ولایت بھی ہے۔ مالک تھے۔ لہٰذا علماء بھی ولایت کے حامل ہوتے۔ مگر چونکہ حدیث میں اس طرح تو فرمایا نہیں ہے اور علماء کو بمنزلہ شخص قرار نہیں دیا جا سکتا، لہٰذا اس جملے سے ولایت ثابت نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روایات اور ظواہر الفاظ کے سمجھنے کا معیار عرف عام

اور فہم متعارف ہوا کرتا ہے نہ کہ تجزیہ و تحلیل علمی۔ ہم بھی فہم میں عرف ہی کے تابع ہیں۔ اگر فقیہ روایات کو سمجھنے میں علمی حقائق کا لحاظ رکھے تو بہت سے مطالب کو ثابت نہیں کر سکے گا اس لئے "العلماء ورثۃ الانبیاء" کو عرف عام پر پیش کر کے دیکھیں کہ عرف کیا سمجھتا ہے؟ آیا عرف کا ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے کہ انبیاء کا وصف عنوانی مراد ہے اور علماء کو صرف اسی وصفِ عنوانی پر تنزیل کیا گیا ہے؟ یا عرف عام کا ذہن اس جملے کو اشخاص کے لئے دلیل سمجھتا ہے؟ یعنی اگر عرف سے سوال کریں کہ فلاں فقیہ بمنزلۂ موسیٰؑ و عیسیٰؑ ہے کہ نہیں؟ وہ اس روایت کی بناء پر جواب دے گا۔ ہاں۔

کیونکہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ نبی تھے۔ یا اگر سوال کیا جائے کہ فقیہ رسولِ خدا کا وارث ہے کہ نہیں؟ وہ کہے گا ہاں۔ کیونکہ رسولِ خدا بھی انبیاء میں سے ہیں۔ اس لئے ہم انبیاء کو وصفِ عنوانی نہیں فرض کر سکتے۔ خصوصاً جبکہ لفظ جمع کے ساتھ استعمال ہے۔ اگر لفظ مفرد "نبی" ہوتا تو پھر بھی احتمال کی گنجائش تھی لیکن جب "انبیاء" کی لفظ استعمال کی گئی اور لفظ جمع لائی گئی یعنی "کل فرد من الانبیاء" نہ یہ کہ "کل فرد من الانبیاء بما هم انبیاء" کے وصفِ عنوانی پر نظر ہو اور اس وصفِ عنوانی کو دوسرے اوصاف سے جدا کرے اور کہے کہ فقیہ بمنزلہ نبی ہے۔ بمنزلہ رسول یا بمنزلہ ولی نہیں ہے۔ اس قسم کا تجزیہ اور تحلیلِ علمی، روایات میں عقل اور عرف دونوں کے خلاف ہے

۳۔ بالفرض ہم قبول بھی کر لیں کہ تنزیل وصفِ عنوانی کے لحاظ سے ہے اور علماء بمنزلہ انبیاء ہے بما هم انبیاء۔ ہیں تو پھر اس تنزیل کے لحاظ سے خدا جو بھی حکم نبی کے لئے ثابت کرے گا۔ وہ علماء کے لئے بھی ثابت ہوگا۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں شخص بمنزلہ عادل ہے اور پھر اس کے بعد کہا جائے۔ عادل کا اکرام واجب ہے۔ تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس شخص کا

بھی اکرام واجب ہے۔ جس کو بمنزلہ عادل کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ہم قرآن کی آیت

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم

سے علماء کے لئے بھی منصب ولایت کو ثابت کر سکیں گے کیونکہ اولویت سے مراد ولایت وامارت ہے جیسا کہ "مجمع البحرین" میں اسی آیت۔ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم کے ذیل میں امام باقرؑ سے روایت ہے کہ یہ آیت دربارہ امارت ۔حکومت وولایت۔ نازل ہوئی ہے۔ اب چونکہ نبی مومنین پر ولایت حکومت رکھتا ہے اور علماء بمنزلہ انبیاء ہیں لہٰذا یہی ولایت وحکومت علماء کیلئے بھی ثابت ہوگی۔ کیونکہ آیت میں حکم وصفِ عنوانی ۔نبوت۔ کے لحاظ سے آیا ہے۔ اس کے علاوہ جو آیات رسول کے لئے احکام ثابت کرتی ہیں ہم ان سے بھی استدلال کر سکتے ہیں مثلاً "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ اب ہم یوں کہیں کہ عرف عام میں نبی و رسول میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں کیفیت نزولِ وحی کے لحاظ سے بھی نبی و رسول میں فرق بتایا گیا ہے۔ بلکہ نبی و رسول عقل وعرف کی نگاہ میں ہم معنی ہیں اس لئے جب رسول کی اطاعت واجب ہے تو علماء کی بھی واجب ہے (دیکھو)

۴۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد احکام شرعیہ ایک قسم کی میراث ہیں۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کو میراث نہیں کہا جا سکتا۔ اب جو لوگ ان احکام کو حاصل کریں گے وہ بھی پیغمبر کے وارث ہیں۔ لیکن یہ کہاں سے معلوم کہ رسولِ خدا کا منصب ولایت بھی قابلِ میراث ہے اور میراث میں مل سکتا ہے۔ ممکن ہے صرف احکام ہی قابلِ میراث ہوں۔ خود اسی روایت میں ہے کہ انبیاء علم کی میراث چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح ابوالبختری والی روایت میں ہے انما اورثوا احادیث من احادیثہم۔ انبیاء احادیث کو میراث میں چھوڑتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ احادیث قابلِ میراث ہیں۔ لیکن ولایت قابلِ میراث نہیں ہے۔

یہ اعتراض (بالا) بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ولایت وامارت امور اعتباریہ اور عقلائی ہیں لہٰذا اس میں عقلاء کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور یہ دیکھنا ہوگا کہ ولایت وحکومت کو ایک شخص سے دوسرے کی طرف ۔بعنوانِ میراث۔ منتقل ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ نہیں۔ یعنی عقلاء اس طرح اعتبار کرتے ہیں کہ نہیں؟

مثلاً اگر دنیا کے عقلمندوں سے پوچھا جائے کہ فلاں سلطنت کا وارث کون ہے تو کیا جواب دیں گے کہ فلاں تاج وتخت کا وارث کون ہے اصولاً یہ جملہ ۔وارث تاج وتخت۔ مشہور جملوں میں سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مال کی طرح ولایت بھی عقلاء کی نظر میں ایک شخص سے دوسرے کی طرف قابلِ انتقال ہے۔ اور منتقل ہوتی ہے۔ اگر کوئی آیت شریفہ (النبی اولی بالمومنینؑ) پر نظر کرے اور "العلماء ورثۃ الانبیاء" پر نظر کرے تو اسے پتہ چل جائے گا کہ انھیں امور اعتباریہ کو عقلاً قابلِ انتقال جانتے ہیں۔

اگر یہ عبارت ۔العلماء ورثۃ الانبیاء۔ ائمہ سے ہوتی۔ جیسا کہ روایات میں ہے کہ ائمہ تمام امور میں پیغمبرؐ کے وارث ہیں اور کوئی بھی یہ نہ کہہ سکتا کہ "علم اور مسائل شرعیہ" کی وراثت مراد ہے۔

اس لئے اگر ہم فقط "العلماء ورثۃ الانبیا کو دیکھیں اور روایت کے صدر و ذیل سے صرف نظر کرلیں تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ پیغمبر اسلام کے بعد آپ کے تمام شئون۔ انھیں میں سے لوگوں پر حکومت شامل ہے قابلِ انتقال ہیں اور ائمہ معصومین کے لئے ثابت ہیں لہٰذا وہ فقہاء کے لئے بھی ثابت ہوں گے البتہ وہ چیزیں فقہا کے لئے ثابت نہ ہوں گی جن کو دلیل خارج کر دے اور

اس میں حرج بھی نہیں ہے' ہم بھی مانتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو فقہا کے لئے ثابت نہیں کریں گے۔

اوپر والے اعتراض میں سب سے زیادہ معقول بات یہ ہے کہ العلماء ورثۃ الانبیاء والا جملہ ایسے جملوں کے درمیان میں واقع ہے کہ جو اس بات کے لئے قرینہ ہیں کہ میراث سے مراد حدیثوں کی میراث ہے۔ جیسا کہ "صحیح قداح" میں ہے۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم - اور ابو البختری والی روایت لم یورثوا درھما ولا دینارا - والے جملہ کے بعد - انما اورثوا احادیث من احادیثھم آیا ہے اور یہ قرینہ ہے کہ انبیاء کی میراث صرف احادیث ہی ہوا کرتی ہیں۔ خصوصاً لفظ "انما" کو دیکھتے ہوئے اور یقین ہو جاتا ہے کہ احادیث ہی کی میراث مراد ہے۔ کیونکہ انما حصر کے لئے آتا ہے۔

مگر یہ اعتراض بھی نامکمل ہے' کیونکہ اگر یہی مراد ہوتا ہے کہ پیغمبر احادیث کے علاوہ کسی اور چیز کو چھوڑ کر نہیں گئے۔ جو میراث بن سکیں تو یہ بات خلاف ضروریات مذہب شیعہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر بہت سی ایسی چیزوں کو چھوڑ کر گئے ہیں جو لائق میراث ہیں اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ پیغمبر امت پر حکومت رکھتے تھے اور حضرت کے بعد یہ منصب حضرت علیؑ کو منتقل ہوا اور آپ کے بعد تمام ائمہؑ کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوا۔

اور کلمۂ "انما" یہاں پر حتمی طور پر حصر کے لئے نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کلمہ "انما" اس کے لحاظ سے حصر پر دلالت کرتا بھی ہے کہ نہیں۔ اس کے علاوہ صحیحہ قداح میں "انما" کا لفظ موجود نہیں ہے۔ صرف ابو البختری والی روایت میں ہے۔ مگر وہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

اب ہم صحیح کی عبارت تحریر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں' اس کے جملے اس بات کے لئے قرینہ بن سکتے ہیں کہ نہیں کہ انبیاء کی میراث صرف حدیثیں ہوا کرتی ہیں...

ملاحظہ ہو.....

من سلک طریقا یطلب فیہ علما سلک اللہ بہ طریقا الی الجنۃ.....

اس جملے میں علماء کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ خیال نہ فرمایئے گا کہ یہ تعریف ہر عالم کے لئے ہے اور چاہے جیسا ہو' اس حدیث کا مصداق ہے۔ جی نہیں کافی کا مطالعہ فرمایئے اور اس میں ان روایات کو دیکھئے جن میں وظائف علماء کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ چند کلمہ پڑھنے والے ورثۂ انبیاء نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے کچھ فرائض ہیں اور اس وقت بات مشکل ہو جاتی ہے۔

.... وان الملائکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضا بہ.....

"وضع اجنحۃ" کے معنی معلوم ہیں اور اس وقت اس سے بحث بھی نہیں ہے۔ یہ عمل احترام و تواضع کے لئے ہے۔

.... وانہ یستغفر طالب العلم من فی السماء ومن فی الارض حتی الحوت فی البحر...

یہ جملہ تفصیلی بحث چاہتا ہے۔ ہماری بحث سے خارج ہے۔

.... فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر النجوم لیلۃ البدر...

اس جملہ کے معنی بھی معلوم ہیں

..... وان العلماء ورثۃ الانبیاء.....

صدر روایت سے لے کر یہاں تک علماء کی تعریف اور ان کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے فضائل میں ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاءؑ کا وارث ہونا علماء کے لئے اس وقت باعث فضیلت ہوگا جب وہ انبیاء کی طرح لوگوں پر حکومت رکھتے ہوں اور واجب الاطاعۃ ہوں۔

ذیل کی روایت میں اس جملہ ۔ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما۔ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انبیاء علم وحدیث کے علاوہ کوئی اور میراث چھوڑتے ہی نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء اگرچہ ولی امر ہوتے ہیں۔ تمام لوگوں پر حکومت رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ رجال الٰہی ہیں۔ مادی افراد میں نہیں ہیں کہ مال دنیا جمع کرتے پھریں۔ اس لئے علم وحدیث کو میراث کے طور پر چھوڑتے ہیں اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ انبیاء کی حکومت دنیاوی حکومت کی طرح نہیں ہے کہ جس کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اپنے لئے مال جمع کرتے رہو۔ حدیث کا یہ مطلب ہے نہ کہ یہ مراد ہے کہ انبیاء مال کو بطور میراث چھوڑتے ہی نہیں۔

پیغمبرؐ کی زندگی چونکہ بہت سادہ تھی اپنے مقام ومنصب سے آپنے کوئی مادی فائدہ حاصل نہیں کیا تھا کہ اس کو بطور میراث چھوڑ جاتے، جو چیز آپنے بطور میراث چھوڑی ہے وہ علم ہے جو تمام امور میں اشرف ہے۔

خصوصاً وہ علم جو خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ہو اور روایت میں بھی علم کا جو ذکر آیا ہے وہ بھی شاید اسی وجہ سے ہے، اور اسی لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روایت میں جو اوصاف علماء بیان کئے گئے ہیں اس سے صرف علم وحدیث ہی کی میراث مراد ہے۔

بعض روایات میں اس حدیث کے آخر میں "ما ترکناه صدقة" کا جملہ آیا ہے۔ جو حدیث میں جزو نہیں ہے۔ صرف سیاسی اغراض کے

ماتحت اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور اہل سنت کی فقہ میں بھی اس حدیث کا ذکر ہے۔

زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ "ممکن ہے کہ یہ جملے قرینہ ہوں تو پھر "العلماء ورثة الانبیاء" کے اطلاق سے تمسک کر کے "کل ما کان للہ بنیاء للعلماء" کے اطلاق سے تمسک کر کے "کل ما کان للہ بنیاء للعلماء" نہیں کہہ سکتے (لہٰذا علماء کے لئے حکومت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ مترجم)

مگر یہ بات بھی درست نہیں ہے کیونکہ ان جملوں کے قرینہ ہونے کا مطلب بھی نہیں ہے کہ آپ کہنے لگے۔ روایت کا ظہور اس بات میں ہے کہ علماء صرف علم انبیاء کے وارث ہیں۔ اس لئے اس روایت (العلماء ورثة الانبیاء) اور بقیہ روایات (جو ہمارے مفید مطلب ہیں) میں تعارض ہو گیا اور اس روایت نے ماسبق مطالب کو ختم کر دیا؟ جی نہیں اس قسم کی کوئی بات روایت سے مستفاد نہیں ہوتی۔

نص کے ذریعہ ولایتِ فقیہ کا اثبات

بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ "روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ رسول خدا صرف علم کو بطور میراث چھوڑ گئے اور امر ولایت وحکومت لائق میراث نہیں ہے بلکہ اگر پیغمبرؐ "علیٌّ وارثی" بھی فرماتے تو اس سے حضرت علیؑ کی خلافت ثابت نہیں ہو سکتی تھی"۔ تو پھر ایسی صورت میں ہم مجبور ہیں کہ حضرت علیؑ اور ائمہؑ کی خلافت نص کے ذریعہ ثابت کریں اور کہیں کہ رسول خدا نے حضرت علیؑ کو خلافت کے لئے منصوب فرمایا ہے تو پھر یہی بات ہم ولایت فقیہ کے لئے بھی کہیں گے کیونکہ سابقہ روایات کی بنا پر علماء بھی رسولؐ خدا کی طرف سے خلافت وحکومت کے لئے منصوب ہیں اس طرح اس روایت میں اور ان روایات میں جو نصب پر دلالت کرتی ہیں جمع کیا جائے گا۔

فقہ رضوی سے مؤیّد

حوائد نراقی میں فقہ رضوی کے حوالہ سے ایک روایت نقل ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ " منزلة الفقيه فی هٰذا الوقت بمنزلة الانبياء فی بنی اسرائيل "[1] اس زمانے میں فقیہ کی منزلت بنی اسرائیل کے انبیاء جیسی ہے۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے " فقہ رضوی " امام رضاؑ سے صادر ہوئی ہے۔ ہاں بعنوان مؤید اس سے تمسک کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات جان لینا چاہیئے کہ " انبیاء بنی اسرائیل " سے حضرت موسیٰؑ کے زمانے والے فقہاء مراد نہیں کیونکہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے والے تمام فقہاء حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے اور ان کی پیروی کرتے تھے اور ممکن ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ ان لوگوں کو تبلیغ کے لئے بھیجتے ہوں تو ان کے لئے ولی امر معیّن کردیتے ہوں البتہ ان کے حالات پر ہم کو دقیق اطلاع نہیں ہے۔ ہاں یہ معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے اور تمام وہ باتیں جو رسولِ خدا کے لئے ہیں حضرت موسیٰ کے لئے بھی تھیں۔ البتہ دونوں کے مقام و منزل اور رتبہ میں فرق تھا۔ اس لئے روایت عموم منزلت سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے لئے جو حکومت و ولایت لوگوں پر تھی وہ فقہاء کے لئے بھی ہے۔

[1] ۔ عوائد نراقی ' ۱۸۶ حدیث ۷۔

باقی مؤیدات

جامع الاخبار سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا۔
يوم القيامة بعلماء امتی وعلماء امتی كسائر انبياء قبلی۔
(۲) قیامت کے دن اپنی اُمّت کے علماء پر میں فخر کروں گا۔ میری امت کے علماء مجھ سے پہلے والے انبیاء کی طرح ہیں۔

یہ روایت بھی مؤید مطلب ہے مستدرک میں بھی " غرر " کے حوالے سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے العلماء حكام على الناس۔ علماء لوگوں پر حاکم ہیں۔ حکماء علی الناس بھی منقول ہے مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ غرر میں حکماء علی الناس بھی ہے۔ اگر اس روایت کی سند معتبر ہو تو اس کی بھی دلالت واضح اور یہ بھی مؤید مطلب ہے۔ دوسری روایت میں بھی بطور تائید ذکر کی جاسکتی ہے۔

اس قسم کی روایات کی طرح " تحف العقول " میں بھی ایک روایت " مجاری الامور والاحكام ايدی العلماء " کے عنوان سے ذکر ہے۔ یہ روایت دو حصوں پر تقسیم ہے۔ پہلا حصہ وہ روایت ہے جو امام حسینؑ نے " امر بالمعروف ونہی عن المنکر " کے سلسلے میں حضرت علیؑ سے نقل فرمایا ہے۔ اور دوسرا حصہ حضرت امام حسینؑ کی وہ تقریر ہے جو " ولایت فقیہ " اور فقہاء کے وظائف سے متعلق ہے۔ اس تقریر کو حضرت نے " منیٰ " میں فرمایا تھا۔ اور اس میں دولت جائر کے خلاف اپنے جہاد داخلی کی علت کو بیان فرمایا ہے۔ اس روایت سے دو اہم مطالب ثابت ہوتے ہیں۔ ایک تو " ولایت فقیہ " اور دوسرے یہ کہ فقہاء کو چاہیئے کہ اپنے جہاد اور امر بمعروف و نہی از منکر کے ذریعہ حکام جائر

کو ذلیل و رسوا کریں۔ اور لوگوں کو بیدار کریں۔ تاکہ بیدار مسلمانوں کی نہضت عمومی حکومت جور کو سرنگوں کر دے اور حکومت اسلامی کو قائم کرے روایت یہ ہے (اصل روایت کو کتاب سے نقل کیا جائے۔ یہاں صرف ترجمہ کیا جاتا ہے)

اے لوگو! احبار کی برائی کر کے خدا نے اپنے دوستوں کو جو نصیحت کی ہے اس سے عبرت حاصل کرو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ علماء دین اور احبار گنہگار یہودیوں کو ان کی گفتگو اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے؟ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ بہت برا کیا ہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ارشاد ہے۔ واقعی انہوں نے جو کچھ انجام دیا وہ بہت برا کیا۔ درحقیقت خدا نے ان لوگوں کی برائی اس لئے کی ہے کہ ان کی نظروں کے سامنے ستمگار برائی اور فسق میں مبتلا رہتے تھے مگر یہ ان کو روکتے نہیں تھے کیونکہ ان سے پانے والی چیزوں کی رغبت اور ڈرنے والی باتوں کے خوف سے وہ ایسا کرتے تھے (حالانکہ) خدا فرماتا ہے "لوگوں سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرو" نیز ارشاد ہوتا ہے "ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ امر بمعروف کرتے ہیں۔ نہی از منکر کرتے ہیں۔ خدا نے امر بمعروف و نہی از منکر سے ابتدا فرمائی اور اس کو پہلا واجب شمار کیا۔ اس لئے کہ خدا جانتا ہے اگر امر بمعروف ہوتا رہا اور نہی از منکر ہوتا رہا تو تمام فرائض خواہ آسان ہوں خواہ مشکل سب ہی انجام پا جائیں گے۔ کیونکہ اس کا۔ امر بمعروف و نہی از منکر۔ مطلب یہ ہے دعوت اسلام۔ یعنی جہاد اعتقادی خارجی۔ ہوتی رہے۔ مظلوموں کے حقوق انکو ملتے رہیں۔ ظالموں کی مخالفت ہوتی رہے مال غنیمت اور فئ کی تقسیم ہوتی رہے۔ صدقات، زکوٰۃ و تمام مالیہا ئے الزامی حاصل کر کے انکی صحیح تقسیم ہوتی رہے۔

پھر اے گروہ آدم! اے وہ گروہ جو علم و عالم ہونے میں مشہور ہو۔

تمہارا ذکر خیر ہوتا ہی رہتا ہے اور خیر خواہی و رہنمائی میں مشہور ہو۔ خدا کی خاطر لوگوں کے دلوں میں تم اپنی ہیبت قائم رکھنے میں مشہور ہو۔ اس طرح کہ مقتدر آدمی تم سے ڈرتا ہے کمزور تمہاری تعظیم کرتا ہے وہ شخص جس پر تم کوئی برتری نہیں رکھتے اور نہ جس پر تمکو کوئی قدرت ہے ابھی تمکو اپنے پر برتری دیتا ہے۔ اپنی نعمتوں کو اپنے پر خرچ نہ کرکے تم پر خرچ کرتا ہے۔ ضرورت کے وقت تم لوگوں کی مدد کرتے ہو۔ بادشاہوں کی ہیبت اور بزرگوں کی بزرگی کے ساتھ راستہ چلتے ہو۔ کیا یہ سب باتیں صرف اس لئے نہیں ہیں کہ تم سے امید ہے کہ اجرائے قانون پر کمر ہمت کو باندھو گے۔ اگرچہ خدا کے بہت سے حقوق کی ادائیگی میں تم سے تقصیر بھی ہوئی ہے کہ ملت کے حقوق کو ذلیل کیا ہے۔ کمزوروں کے حقوق کو ضائع و برباد کیا ہے۔ لیکن جسکو تم نے اپنا حق خیال کیا ہے اس کو طلب کیا ہے۔ تو تم نے اپنا مال خرچ کیا ہے اور نہ پالنے والے کی راہ میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا ہے اور نہ خدا کے لئے کسی قبیلہ سے دشمنی کی ہے۔ (اس کے باوجود) تم جنت کی آرزو کرتے ہو، پیغمبروں کی ہم نشینی کے خواہشمند ہو عذاب خدا سے بچنا چاہتے ہو۔ خدا سے اس قسم کی امید رکھنے والو! مجھے ڈر ہے کہ تمہارے اوپر عذاب الٰہی نہ نازل ہو جائے۔ کیونکہ خدا کی عظمت و عزت کے سائے میں تم ایسی بلند منزلت تک پہنچے ہو مگر تم خدا شناسوں کی قدر و منزلت نہیں کرتے حالانکہ خدا ہی کی وجہ سے تم اسکے بندوں میں محترم ہو۔ اور اس لحاظ سے بھی تمہارے لئے ڈرتا ہوں کہ تم دیکھتے ہو کہ خدا کے میثاق توڑے جا رہے ہیں۔ مگر تم نہیں ڈرتے لیکن اپنے آباؤ اجداد کے معاہدے کے توڑے جانے پر پریشان ہو جاتے ہو۔ رسول خدا کے عہد و پیمان۔ پیغمبر اسلام سے بیعت کی وجہ سے مناسبات اسلامی جو عہد و پیمان ہوا تھا۔ علیؑ اور اولاد علیؑ کی اطاعت کے بارے میں غدیر خم میں جو تم سے عہد لئے گئے تھے۔ کی بے اعتنائی کرتے ہو۔

اندھے گونگے، زمین گیر، کمزور تمام شہروں میں بے مرے پست ہیں۔ کوئی ان پر رحم نہیں کرتا۔ نہ اپنی اور ان کی حیثیت کے مطابق کام کرتے ہو اور نہ ایسے کام کرنے والے اور تمہاری شان کو بڑھانے والوں کی کوئی مدد کرتے ہو۔ چرب زبانی، چاپلوسی، ستمگاروں سے ساز باز کرکے اپنے کو بے خوف بنا لیتے ہو۔ یہ تمام وہ باتیں ہیں جن سے خدا نے تم کو روکا ہے اور تم ان سے غفلت کرتے ہو۔ تمہاری مصیبت تمام لوگوں سے زیادہ ہے کیونکہ منزلت علماء کو تم سے واپس لے لیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک کا انتظام، احکام قضائی کا نفاذ، سلطنت کے پروگرام کی تکمیل، دانشمندانِ روحانی کے ہاتھوں میں ہونی چاہیئے۔ جو حقوق الٰہی کے امین، حلال و حرام کے جاننے والے ہیں۔ اب یہ کہ تمہاری وہ حیثیت نہ رہی اسکی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ تم نے قانون اسلام اور حکم خدا کو پراگندہ کر دیا ہے۔ سنت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ اگر تم تکلیفوں پر صبر کرتے، خدا کی راہ میں زحمتوں کو برداشت کرتے، تو سارے امور کا دار و مدار تم پر ہوتا۔ لیکن تم نے ظالموں کو قدرت عطا کی اور خدا کو ان کے ہاتھوں میں دے دیا۔ وہ شبہات پر عمل کرتے ہیں، شہوتوں کے مطابق کام کرتے ہیں۔ تمہارا موت سے بھاگنا ہی اس کا سبب تھا کہ وہ اس پر مسلط ہو جائیں۔ اور تمہارا زندگی کو پسند کرنا بھی اس کا سبب بنا۔ حالانکہ تمہاری زندگی تم سے چھین لی جانے والی ہے۔ تم نے اپنے اس رویے سے کمزوروں کو ستمگاروں کے ہاتھوں میں دے دیا تاکہ کوئی غلام بنایا جائے اس پر ظلم کے پہاڑ توڑے جائیں اور کوئی بے چارہ نان و نمک کے لئے محتاج رہے اور ظالم حکام مزے لوٹتے رہیں اور اپنی ہوس رانی سے ذلت و رسوائی کا سامان کرتے رہیں۔ بزدل کے پیرو ہو گئے

خدا سے گستاخی کریں، ہر شہر میں منبر پر ان کا خطیب ہے۔ خاک وطن پراگندہ ہے۔ ان کے ہاتھ دراز ہیں۔ لوگ ان کے غلام ہیں۔ اپنے میں دفاع کی قوت نہیں رکھتے، ان کا کوئی حاکم ڈکٹیٹر ہے، کینہ پرور و بدخواہ ہے دوسرا حاکم مظلوموں پر ظلم کرتا ہے، سختی کرتا ہے؛ تیسرا حکومت پر تابع ہے نہ خدا سے ڈرتا ہے، نہ روز جزا سے، نہ خدا کو پہچانتا ہے تعجب ہے اور کیوں نہ تعجب ہو۔ زمین پر ظالم، ستمگر اور مومنین کے لئے بے رحم حاکم ہیں۔ بس اللہ ہی ہمارے درمیان حکم کرنے والا ہے اور ہمارے اختلافات میں وہی فیصلہ کرنے والا ہے۔

خدایا! تو جانتا ہے ہم نے جو کچھ کیا ہے۔ ظالم اور اموی حکومت کے خلاف اقدام۔ وہ کسی سیاسی اقتدار کی خاطر نہیں تھا، اور نہ ہی دولت و حکومت کی خاطر تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ تیرے دین کے درخشاں اصول کی نشاندہی کریں۔ تیرے ملک میں فساد کو ختم کرکے اصلاح کریں۔ تیرے مظلوم بندوں کو بے خوف بنا کر ان کے حقوق ان تک پہنچا دیں اور اس لئے ایسا کیا ہے کہ تیرے فرائض پر تیرے احکام پر عمل ہونے لگے۔ اس لئے تم لوگ (علماء دین) اس مقصد کی انجام دہی میں میری مدد کرو۔ اور تم پر ظلم کرنے والوں اور انبیاء کی شمعِ حیات کو گل کرنے والوں سے انصاف کیا جائے۔ ہمارے لئے اللہ کافی ہے، اس پر ہمارا بھروسہ ہے۔ اور اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے۔

حضرت کا یہ ارشاد۔ "اعتبروا ایها الناس بما وعظ اللہ بہ من سوء ثنائہ علی الاحبار" کسی مخصوص گروہ، حاضرین مجلس، اہل شہر، اہل مملکت، یا اس زمانے کے لوگوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ جس زمانے میں جو بھی اس خطاب کو سنے اس کو مخاطب کیا گیا ہے جیسے قرآن مبین،

یا ایھا الناس تمام لوگوں کے لئے ہے۔ اسی طرح حضرت کا بھی خطاب ہے۔ خداوند عالم علماء یہود پر اعتراض اور ان کے رویے سے بیزار ہو کر اپنے دوستوں کو متنبہ کر رہا ہے۔ "دوستوں" سے مراد وہ افراد ہیں جو خدا کیطرف متوجہ ہیں اور معاشرہ میں سوبو دل ہیں۔ اس سے ائمہ معصومین مراد نہیں ہیں۔

"اذ یقول لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یفعلون"۔

خدا اس آیت میں "ربانیون" اور "احبار" کی سرزنش کر رہا ہے۔ کہ یہودی علماء نے ستمگروں کو گنہگارانہ گفتگو۔ خواہ جھوٹ ہو، تحریف ہو، اور اسی قسم کی دوسری بات ہو۔ اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکا؟ ظاہر ہے کہ یہ سرزنش نہ تو علماء یہود کے لئے مخصوص ہے نہ علماء نصاریٰ کے لئے بلکہ جامعۂ اسلامی کے علماء اور بطور کلی تمام علماء دین کو شامل ہے۔ اس لئے اگر معاشرۂ اسلامی کے علماء ستمگروں کے رویے اور سیاست پر خاموش رہیں تو وہ بھی اس سرزنش کے مستحق ہیں۔ یہ حکم بزرگوں اور نسلِ گزشتہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ گزشتہ اور آئندہ کی ساری نسلیں اس حکم میں برابر ہیں۔ حضرت امیرؑ نے قرآن کے اسناد کے ساتھ یہ بات بیان فرمائی تاکہ معاشرۂ اسلامی کے علماء بھی اس سے عبرت حاصل کریں۔ ہوشیار ہو جائیں؛ امر بمعروف و نہی از منکر سے غفلت نہ کریں۔ حکومت جور و ستمگر کے مقابلے میں سکوت نہ اختیار کریں۔ حضرت نے "لولا ینھاھم الربانیون ......" سے استشہاد فرما کر دو نکتے کی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے۔

۱۔ فرائض مشترک کی ادائیگی میں علماء کی سہل انگاری کا ضرر دوسروں کے ادائیگی فرائض سے کوتاہی میں بہت زیادہ ہے مثلاً اگر ایک بازاری غلط کام کرے تو اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا۔ لیکن اگر علماء

اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے۔ جیسے ستمگروں کے مقابلے میں خاموشی۔ تو اس کا ضرر اسلام کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اگر انھوں نے اپنے فرائض پر عمل کیا اور جہاں بولنا چاہیئے وہاں خاموش نہیں رہے تو اس کا فائدہ بھی اسلام کو پہنچے گا۔

۲۔ تمام خلاف شرع امور سے روکنا چاہیئے۔ لیکن اسی کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ "قول اثم" اور اکل سحت کا ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ دو "منکر" تمام منکرات سے زیادہ خطرناک ہیں اور ان کی مخالفت بہت زیادہ کرنی چاہیئے۔ چونکہ کبھی دست گاہ ستمگر کی تبلیغ و گفتار ان کی سیاست و کردار سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے خطرناک ہوتی ہے ہوتی ہے۔ اس لئے خدا سرزنش کر رہا ہے کہ ستمگروں کے گنہگارانہ تبلیغات و نادرست گفتار کو کیوں نہیں روکا؟ وہ مرد جو خلیفۃ اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، مشیتِ الٰہی کا ذریعہ ہونے کا مدعی تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ احکام الٰہی وہی ہیں جس کا اجراء میں کرتا ہوں۔ اسلامی عدالت وہی ہے جو میں کہتا ہوں۔ حالانکہ اصولی طور پر عدالت سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ ایسے شخص کی تکذیب کیوں نہ کی؟ اس قسم کی باتوں کو "قول اثم" کہتے ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے کیوں نہیں جلوگیری کی؟ جو ظالم نابود و نابجا اسراف کرتے تھے، خیانتوں کے مرتکب ہوتے تھے، بدعتوں کا اسلام میں اضافہ کرتے تھے؛ اسلام کو ضرر پہنچاتے تھے انکو کیوں نہ روکا؟ ان گناہوں سے کیوں باز نہ رکھا؟

اگر کوئی مرضیِ الٰہی کے خلاف احکام کی تفسیر کرے، اسلام میں بدعت کو یہ کہہ کر۔ کہ اصولِ اسلامی کا یہی تقاضہ ہے۔ رواج دے، اسلام کے خلاف احکام کا اجراء کرے، تو علماء پر واجب ہے کہ اس کی مخالفت کریں۔ اگر مخالفت نہ کریں گے تو خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ حدیث میں

بھی ہے کہ۔ اذا ظہرت البدع فللعالم ان یظہر علمہ والا فعلیہ لعنۃ اللہ۔ جب بدعتوں کا ظہور ہونے لگے تو عالم پر واجب ہے کہ اپنے علم کا اظہار کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

خود مخالفت کا اظہار، تعلیم و احکام خدا کا بیان، بدعت و ظلم و گناہ کی مخالفت بھی فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اجتماعی فساد اور خائن و فاسق حکام کے مظالم کے خلاف عوام کھڑے ہو جاتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ دینے سے پرہیز کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ ان کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ ایسے مواقع پر علماء دین کی مخالفت ایک (نہی از منکر) ہے اور معاشرہ کے دینی رہبر کی طرف سے مخالفت (نہی از منکر) کی موج ہوتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ انقلاب کا باعث بن جاتی ہے۔ اور اگر ظالم حکام اس کے سامنے سرنگوں نہ ہو جائیں اور احکام الٰہی کا اتباع نہ کرنے لگیں۔ اور طاقت کے ذریعے اس انقلاب کو خاموش کرنے لگیں تو پھر ان کا شمار "فئۃ باغیۃ" باغی گروہ میں ہونے لگے گا۔ اور مسلمانوں پر مسلح جہاد واجب ہو جائے گا۔ تاکہ حکومت کرنے والوں کا رویہ اسلام کے احکام و اصول کے مطابق ہو جائے۔

آپ حضرات چونکہ سردست حکام کی بدعتوں کو نہیں روک سکتے اور ان مفاسد کو ختم نہیں کر سکتے تو کم از کم خاموش تو نہ رہئے۔ مار پیٹ پر داد فریاد کیجئے، اعتراض کیجئے، پردہ پوشی نہ کیجئے، ظلم برداشت نہ کیجئے، ظلم برداشت کر لینے پر آمادگی ظلم سے بھی بدتر ہے، اعتراض کیجئے، انکار کیجئے، تکذیب کیجئے فریاد کیجئے۔ ان کی تبلیغات و انتشارات کے مقابلے میں آپ بھی تبلیغات و انتشارات قائم کیجئے۔ تاکہ ان کے جھوٹ کی تکذیب کی جا سکے یہ کہا جا سکے کہ یہ غلط ہے۔ عدالت اسلامی یہ نہیں ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ بلکہ عدل اسلامی تو وہ ہے جو مدون و مضبوط صورت

میں موجود ہے۔ ان باتوں کا اعلان ضروری ہے تاکہ لوگ متوجہ رہیں۔ آنے والی نسل علماء کے سکوت کو حجت نہ بنا لے کہ اگر ظالموں کی حکومت خلاف شرع ہوتی ہے تو علماء مخالفت کرتے۔ علماء کی مخالفت نہ کرنا بتاتا ہے کہ حرام خوری اسلامی حکم ہے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس مسجد کے آگے کی بات نہیں سوچتے جب یہ کہا جاتا ہے کہ "اکلِ سحت یعنی حرام خوری جائز نہیں ہے" تو ان کے ذہن میں کوچۂ مسجد میں بیٹھنے والے بقال ہی کا تصور آتا ہے کہ (العیاذ باللہ) وہ کم تولتا ہے۔ لیکن حرام خوری کا وہ بزرگ دائرہ جو بزرگ ترین سرمایہ کو نگل کر ڈکار بھی نہیں لیتے، ان کے ذہن میں نہیں آتا۔ جو لوگ بیت المال کو کھا لیتے ہیں ہمارے تیل کو کھا جاتے ہیں۔ غیر ملکی کمپنیوں کے نام سے نمائندگی کر کے ہم کو غیر ضروری اور مہنگی چیزوں کے بازار میں لا کھڑا کرتے ہیں اور اس طرح لوگوں کے روپے کو اپنے اور غیر ملکی سرمایہ داروں کے جیب میں بھر دیتے ہیں، غیر ملکی حکومتیں تیل نکال کر اپنے لئے لے جاتی ہیں اور ایک تھوڑی سی مقدار جو حکام جور کو دیتی بھی ہیں اس کو بھی دوسری راہ سے اپنی جیبوں میں بھر لیتی ہیں اور تھوڑا مال جو صندوق دولت میں پہنچتا ہے۔ خدا جانے وہ کہاں پر خرچ ہوتا ہے۔ اس قسم کی حرام خوری پر ان کی نظر نہیں پڑتی۔ آخر یہ بھی تو مقیاس بین المللی کے لحاظ سے حرام خوری ہے۔ دہشتناک قسم کا منکر ہے۔ آپ ذرا معاشرے کے اوضاع، حکومت کے کاموں کو دقت نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ کتنی دہشتناک قسم کی حرام خوری ہوتی ہے۔ اگر ملک کے کسی گوشے میں زلزلہ آ جائے تو حرام خور و سود خور حاکموں کی بن آتی ہے کہ زلزلہ زدگان کے نام پر یہ اپنی جیب بھر سکیں گے۔ ستمگر حکام ملت کے خلاف حکومتوں یا خارجی کمپنیوں سے جو قرارداد کرتے ہیں۔ اس سے لاکھوں روپے اپنی جیب میں اور لاکھوں

روپے خارجی سرمایہ داروں کے جیب میں پہنچا دیتے ہیں۔ حرامخوروں کا یہ سمندر ہماری نظروں کے سامنے موجیں مار رہا ہے۔ خارجی تجارت کی صورت میں استخراج معادن کی قرار دادوں کی صورت میں جنگلوں کی بہرہ برداری کی صورت میں بلکہ تمام طبعی منافع کے حصول کی صورت میں حرامخوری کرتے ہیں۔ کبھی عمارتوں کی تعمیرات میں، کبھی سڑکوں کی مرمت کے نام پر، کبھی اسلحہ کی خریداری کے نام پر یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

ان حرامخوریوں اور غارت گریوں کا مقابلہ واجب ہے۔ تمام لوگوں کا یہ فریضہ ہے۔ البتہ علماء دین کا فریضہ سنگین تر اور مہم تر ہے۔

تمام مسلمانوں سے پہلے اس مقدس جہاد اور عظیم فریضہ میں ہمکو شریک ہونا چاہیے۔ ہمکو اپنے مرتبے و عزت کی وجہ سے سب سے پہلے اقدام کرنا چاہیئے۔ اگر آج ہم ان حرامخوروں، ملت کے خائنوں، عزت دار چوروں، اور حاکموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ہمکو کوشش کرتے رہنا چاہیئے کہ اس قابل ہو جائیں اور کم از کم فریضہ کی انجام دہی، اظہار حق، افشاء حرامخوری میں کوتاہی نہ کریں۔ جب اس قابل ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ سیاست و اقتصاد و ادارۂ کشور کو درست کریں بلکہ حرامخوروں اور جھوٹوں کو کوڑے لگائیں اور ان کو قرار واقعی سزا دیں۔

یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کو جلا دیا۔ ہم فریاد کرتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کو نیم سوختہ حالت ہی میں باقی رہنے دو، اس حرم کو برباد نہ کرو لیکن رژیم شاہ حساب کھول دیتا ہے۔ صندوق رکھتا ہے اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے نام پر لوگوں سے پیسے اینٹھتا ہے تاکہ اس حیلے سے اپنی جیب کو بھر سکے اور ضمناً اسرائیل کے جرم کو ختم کر دے۔

یہ وہ مصیبتیں ہیں جو امت اسلام کے گریبان گیر ہو گئی ہیں اور نوبت

یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ پھر آخر علمائے اسلام ان مطالب کو کیوں نہیں کہتے؟ کیوں فریاد نہیں کرتے؟ ان غارتگریوں کے لئے کیوں کچھ نہیں کہتے؟

اس کے بعد۔ لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل۔ سے استناد فرمایا ہے۔ جو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔ اسکے بعد فرماتے ہیں۔ وانما عاب اللہ ذالک علیھم لانھم کانوا یرون من الظلمۃ الذین بین اظھرھم المنکر والفساد فلا ینھونھم عن ذالک رغبۃ فیما کانوا ینالون منھم ورھبۃ لما یحذرون۔ خداوند عالم کا "ربانیون" سے استنکار صرف اس وجہ سے تھا کہ وہ ستمگروں کو دیکھتے تھے کہ کیا کر رہے ہیں اور کن خیانتوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود خاموش رہتے تھے اور ان کو منع نہیں کرتے تھے اور۔ اس روایت کی بنا پر۔ ان کے سکوت کی دو وجہیں تھیں ۱۔ سودجوئی ۲۔ زبونی۔ یا پھر وہ لالچی افراد تھے۔ جو ستمگروں سے مادی فائدہ حاصل کرتے تھے اور حق السکوت وصول کرتے تھے اور یا پھر بزدل و ڈرپوک تھے۔ ظالموں سے ڈرتے تھے۔ اس لئے کچھ نہیں کہتے تھے۔ امر بمعروف و نہی از منکر کی روایات کو ملاحظہ فرمائیے کہ اس میں بعض ایسے لوگ جو امر بمعروف و نہی از منکر سے عذر تراشی کرتے تھے انکی کتنی مذمت کی گئی ہے اور ان کے سکوت کو عیب شمار کیا گیا ہے۔

واللہ یقول ولا تخشوا الناس واخشونی۔ خدا فرماتا ہے "ان سے مت ڈرو۔ تمہیں کیا خوف ہے؟ قیدی بنائے جانے، قتل کئے جانے، ملک بدری کے علاوہ اور کس چیز کا خوف ہے؟ ہمارے اولیاء نے اسلام کی خاطر جان دے دی تم بھی اسکے لئے آمادہ رہو۔

وقال: والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون

بالمعروف وینھون عن المنکر...

اور ذیلی آیہ میں ارشاد ہے۔ ویقیمون الصلوٰۃ ویؤتون
الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ.....

"فبدء اللہ بالامر بالمعروف والنھی عن المنکر فریضۃ منہ لعلمہ بانھا اذا ادیت واقیمت استقامت الفرائض کلھا ھینھا وصعبھا وذلک بان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر دعاء الی الاسلام مع رد المظالم ومخالفۃ الظالم وقسمۃ الفئ والغنائم واخذ الصدقات من مواضعھا ووضعھا فی حقھا

اگر قاعدے سے امر بمعروف ونہی از منکر واقع ہو تو دوسرے فرائض قہری طور پر ادا ہونے لگیں گے اور ستمگروں اور ان کے عمال مال مردم کو نہیں لے سکیں گے اور نہ اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر سکیں گے اور نہ مال مردم کو برباد کر سکیں گے۔ امر بمعروف ونہی از منکر، دعوت اسلام ورد مظالم ومخالفت ظالم کرتا ہے امر بمعروف ونہی از منکر کا مقصد انہیں چیزوں کے لئے ہے ہم نے انکے دائرہ کو مختصر کرکے ایسی جگہوں کے لئے" مخصوص کر دیا ہے جس کا ضرر ایسے افراد کے لئے ہے جو اس کے مرتکب ہوتے ہیں یا ترک کر دیتے ہیں ہمارے ذہنوں میں تو یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ منکرات تو بس یہی ہیں جسکو ہم ہر روز دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں۔ مثلاً اگر موٹر میں ریڈیو کھولدیا۔ یا فلاں قہوہ خانے میں خلاف شرع کام ہوا، یا سر بازار کسی نے روزہ کھالیا تو ہماری نظر میں یہی منکرات ہیں اور انہیں سے روکنا چاہئے اور بزرگ ترین منکرات کی طرف توجہ تک نہ دیں۔ جو لوگ رسوم کی حیثیت کو برباد کرتے ہیں ضعفاء کے حقوق کو پامال کرتے ہیں....... انکو نہی از منکر کرنا چاہیئے۔

حکام جور جو خلاف شرع افعال کرتے ہیں یا جنایت کا ارتکاب کرتے

ہیں۔ اگر ان پر اعتراض کیا جائے اور تمام اسلامی حکومتوں سے ہزاروں ٹیلیگرام بھیجے جائیں کہ یہ کام نہ کیا جائے تو یہ لوگ اس سے یقیناً رک جائیں گے۔ اگر حیثیت اسلام کے خلاف، مصالح مردم کے خلاف کوئی کام انجام دیا جائے اور اس پر ملک کے ہر گوشہ سے تمام دیہاتوں اور قصبوں سے اس کی مخالفت کی جائے۔ تو یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں گے اور اس کام کو انجام نہیں دیں گے۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ پیچھے نہیں ہٹیں گے؟ ہرگز نہیں۔ یہ پیچھے ہٹ جائیں گے۔ میں انکو خوب پہچانتا ہوں۔ یہ بہت ڈرپوک ہیں۔ بہت جلد عقب نشین ہو جائیں گے۔ لیکن جب انکو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری کوئی حقیقت نہیں ہے تو وہ اپنے منصوبے پر عمل کرتے رہیں گے۔

جس بات پر علماء متحد ہو جاتے تھے اور ہر شہر سے انکی پشت پناہی ہوتی تھی، وفود آتے تھے، تقریریں ہوتی تھیں۔ اس میں یہ لوگ پیچھے ہٹ جاتے تھے اور قرارداد کو منسوخ کر دیا جاتا تھا لیکن جب رفتہ رفتہ ہم کو سست وکمزور کر دیا گیا۔ آپس میں اختلاف ڈالدیا گیا اور ہر ایک کے لیے "تکلیف شرعی" معین ہوگئی۔ یہ لوگ جری ہو گئے اور اب وہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ دعاء الی الاسلام مع رد المظالم ومخالفۃ الظالم ۔۔ امر بمعروف ونہی از منکر انہیں کاموں کے لئے ہے۔ بیچارہ عطار اگر کوئی خلاف شرع کام کرتا ہے تو اس سے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ بس اسی کو ضرر پہنچتا ہے جو لوگ اسلام کو ضرر پہنچاتے ہیں اور مختلف طریقے سے لوگوں کو قتل وغارت کرتے ہیں۔ انکو زیادہ امر بمعروف ونہی از منکر ہونا چاہیئے۔

یہ باتیں اخباروں میں بھی آتی رہتی ہیں۔ کبھی مذاق وشوخی کے عنوان پر اور کبھی جدی اور واقعی لحاظ سے کہ سیلاب زدہ، زلزلہ زدہ افراد کو عنوان بنا کر روپے جمع کئے جاتے ہیں اور یہ لوگ اسے کھا جاتے ہیں۔ ملایر کے ایک عالم مجھ سے نقل کر رہے تھے کہ ایک حادثہ میں مرنیوالوں کے لئے یہ لوگ ایک ٹرک کفن لے کر گئے

مگر مامورینِ دولت نے ہمکو وہاں تک نہیں لے جانے دیا۔ وہ لوگ خود ہی اس کو ہڑپ کرنا چاہتے تھے۔ ان کے لئے امر بمعروف و نہی از منکر ضروری ہے۔

اب میں آپ حضرات سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت امیرؑ نے اس حدیث میں جن مطالب کا ذکر فرمایا ہے کیا صرف حضرتؑ کے آس پاس والے اصحاب کے لئے تھے؟ اعتبروا ایھا الناس۔ کا خطاب کیا ہم سے نہیں ہے؟ ہمارا شمار کیا اس میں نہیں ہے؟ کیا ہمکو اس خطاب سے عبرت نہیں حاصل کرنی چاہیئے۔؟

جیسا کہ میں نے شروع میں ذکر کیا کہ یہ مطلب کسی خاص گروہ سے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت علیؑ کی طرف سے ہر امیر، وزیر، حاکم، فقیہ، تمام دنیا، تمام انسان تمام زندہ افراد کے لئے یہ خطاب ہے۔ حضرت کا فرمان قرآن کے مطابق ہے اور جس طرح قیامت تک قرآن واجب الاتباع ہے، حضرتؑ کے احکام بھی واجب الاتباع ہیں۔ لولا ینھاھم الربانیون۔ میں اگرچہ خطاب ربانیوں اور احبار کی طرف ہے لیکن عموم افراد کے لئے یہ حکم ہے۔ چونکہ ربانیوں و احبار لالچ یا خوف کی وجہ سے ستمگروں کے ظلم پر خاموش رہے۔ داد فریاد اور تقریر کر کے ظالموں کو اس کام سے روک سکتے تھے۔ مگر نہ روکنے کی وجہ سے باعث ملامت ہو گئے اسی طرح علمائے اسلام اگر ستمگروں کے ظلم پر خاموش رہیں گے تو یہ بھی مستحق ملامت ہوں گے

ثم انتم ایتھا العصابۃ۔ عام لوگوں سے خطاب کے بعد علماء اسلام کے گروہ کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ عصابۃ بالعلم مشھورۃ، وبالخیر مذکورۃ، وبالنصیحۃ معروفۃ، وباللہ فی انفس الناس مھابۃ، یھابکم الشریف ویکرمکم الضعیف، ویؤثرکم من لا فضل لکم علیہ ولا ید لکم عندہ، تشفعون فی الحوائج اذا امتنعت من طلابھا وتمشون فی الطریق بھیبۃ الملوک وکرامۃ الاکابر الیس کل ذلک

انما نلتموہ بما یرجی عندکم من القیام بحق اللہ"۔ معاشرہ میں تمہاری ہیبت و شوکت ہے۔ ملت اسلام تمہارا احترام کرتی ہے۔ معاشرہ میں یہ عزت و احترام اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کو انتظار ہے کہ ستمگروں کے مقابلے میں آپ قیام کریں گے، مظلوموں کا حق ظالموں سے دلائیں گے۔ لوگ منتظر ہیں کہ آپ قیام کر کے ستمگروں کا مقابلہ کریں۔

"ان کنتم عن اکثر حقہ تقصرون، فاستخففتم بحق الائمۃ، فاما حق الضعفاء فضیعتم واما حقکم بزعمکم فطلبتم فلا مالا بذلتموہ ولا نفسا خاطرتم بھا للذی خلقھا ولا عشیرۃ عادیتموھا فی ذات اللہ انتم تتمنون علی اللہ جنتہ ومجاورۃ رسلہ وامانا من عذابہ۔ لقد خشیت علیکم ایھا المتمنون علی اللہ ان تحل بکم نقمۃ من نقماتہ لانکم بلغتم من کرامۃ اللہ منزلۃ فضلتم بھا ومن یعرف باللہ لا تکرمون، وانتم باللہ فی عبادہ تکرمون"۔ تمکو عزت و احترام حاصل ہو گیا مگر جب صاحبِ مرتبہ ہو گئے تو اس کے حق کو ادا نہ کیا۔

وقد ترون عھود اللہ منقوضۃ فلا تفزعون، وانتم لبعض ذمم آبائکم تفزعون، وذمۃ رسول اللہ محقورۃ)

اگر تمہارے بزرگوں کے لئے کوئی پیش آمد ہو یا خدانخواستہ۔ کوئی تمہارے باپ کی بے احترامی کرے تو بہت ناراحت ہوتے ہو، داد و فریاد کرتے ہو۔ حالانکہ تمہاری نظروں کے سامنے الٰہی عہد و پیمان کو توڑا جاتا ہے، اسلام کی بے حرمتی کی جاتی ہے مگر تمہاری آواز بھی نہیں سنائی دیتی۔ حد یہ ہے کہ دل سے ناراحت نہیں ہوتے اصولاً اگر تمکو اس سے تکلیف پہنچی ہوتی تو تمہاری آوازیں بلند ہو جاتیں۔

والعمی والبکم والزمن فی المدائن مھملۃ لا ترحمون

اندھے، گونگے، زمین گیر برباد ہو رہے ہیں کسی کو انکی فکر نہیں۔

ملت کے لئے کسی کو کوئی احساس نہیں ہے۔ ذرا سوچیئے۔ یہ ریڈیو میں بڑا ہنگامہ جو ہوتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ ذرا قریب سے جا کر دیکھئے کہ لوگ کیوں کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سو دو سو میں ایک اسپتال بھی نہیں ہے۔ بے چارے اور بھوکے لوگوں کی کوئی فکر نہیں کی گئی ہے۔ اس کی بھی تو اجازت نہیں دیتے کہ اسلام نے فقراء کے لئے جو لائحہ عمل مرتب کیا ہے اسی پر عمل کیا جا سکے۔ اسلام نے فقراء کی مشکل کو حل کر دیا ہے اسلامی پروگرام کے سر فہرست۔ "انما الصدقات للفقراء ...."

ہے اسلام تو شروع سے متوجہ تھا کہ پہلے فقراء کی طرف توجہ دی جائے، مگر اس کو کرنے کہاں دیا جاتا ہے۔ افراد ملت فقر و فاقہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایران کے افراد حکومتی لوگوں سے تمام مالیات وصول کر کے اپنے حسب منشاء خرچ کر رہے ہیں۔ فینٹم ہوائی جہاز خریدے جا رہے ہیں تاکہ اسرائیل کے فوجی ہماری حکومت میں فوجی تربیت دیکھیں (اور سیکھیں)۔ اسرائیل۔ جو ابھی تک مسلمانوں سے جنگ کر رہا ہے اور اس کی تائید کرنے والے مسلمانوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ کے بال و پر ہماری حکومت میں کھلے ہیں اور ایران نے اس کی ایسی تائید کی ہے کہ آج اسرائیلی آکر ہماری فوجی تربیت دیکھتے ہیں۔ ہماری حکومت اسرائیلیوں کے لئے پناہ گاہ ہے۔ ہمارے بازار ان کے ہاتھوں میں ہیں اگر یہی صورتحال رہی اور مسلمان یوں ہی خواب غفلت میں پڑے رہے تو یہ لوگ مسلمانوں کے بازار ختم کر دیں گے۔

ولا فی منزلتکم تعلمون ولا من عمل فیہا (تعنون)

تم نے اپنے مرتبہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا اور نہ کوئی کام ہی کیا بلکہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کی بھی مدد نہیں کی۔

وبالادھان والمصانعۃ عند الظلمۃ تامنون۔ کل ذلک مما امرکم اللہ بہ من النھی والتناھی وانتم عنہ غافلون۔

تمہاری خواہش و خوشی اس میں ہے کہ ظالم تمہارے پشت پناہ رہیں۔ تمہارا احترام کریں مثلاً ایھا الشیخ الکبیر کہیں۔ اس کے بعد تمہیں کوئی فکر نہیں ہے کہ ملت پر کیا گزرتی ہے اور حکومت کیا کرتی ہے۔

"وانتم اعظم الناس مصیبۃ لما غلبتم علیہ من منازل العلماء لو کنتم تشعرون، ذالک بان مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء باللہ الامناء علی حلالہ وحرامہ فانتم المسلوبون تلک المنزلۃ" امام یوں بھی فرماتے ہیں کہ میرے حق کو چھین لیا گیا۔ مگر تم نے قیام نہیں کیا۔ یا حق آئمہؑ لے لیا گیا اور تم خاموش رہے۔ لیکن "علماء باللہ" فرمایا جس سے "ربانیون" اور پیشوائے ملت مراد ہیں۔ اہل فلسفہ و اہل عرفان مراد نہیں ہیں۔ "عالم باللہ" سے مراد احکام خدا کا جاننے والا ہے اور جسے ربانی در روحانی کہا جا سکے وہ مراد ہے۔ البتہ یہ اطلاق اسی پر ہوگا جس میں روحانیت اور خدا کی طرف توجہ زیادہ ہو۔

"فانتم المسلوبون تلک المنزلۃ وما سلبتم ذلک الا بتفرقکم عن الحق واختلافکم عن السنۃ بعد البینۃ الواضحۃ ولو صبرتم علی الاذی وتحملتم المؤونۃ فی ذات اللہ کانت امور اللہ علیکم ترد وعنکم تصدر والیکم ترجع"

اگر تم اچھے لوگ ہوتے، قیام بحق کرتے تو تم دیکھتے کہ امور کا نفاذ اور اس کی بازگشت تمہاری ہی طرف ہوتی۔ اگر اسلامی حکومت کا قیام ہو جاتا تو دنیا کی تمام سلطنتیں ان کے مقابل نہیں آسکتی تھیں۔ ان کو سرنگوں ہونا پڑتا۔ لیکن افسوس آخر کوتاہی ہے کہ ایسی حکومت کا قیام نہیں کیا جا سکتا بلکہ صدر اسلام میں بھی دشمنوں نے حکومت ایسے افراد کے ہاتھ میں نہیں آنے دی جن سے خدا اور رسولؐ خوش تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا ہوتا تو آج صورتحال ہی دوسری ہوتی۔

ولکنکم مکنتم الظلمۃ من منزلتکم۔ جب تم نے اپنے فریضہ پر عمل نہیں کیا۔ امرِ حکومت کو چھوڑ دیا تو ظالمین کو یہ موقع مل گیا کہ حکومت پر قبضہ کر لیں "واستسلمتم امور اللہ فی ایدیہم یعملون بالشبہات، و یسیرون فی الشہوات سلطہم علی ذلک فرارکم من الموت اعجابکم بالحیاۃ التی مفارقتکم، فاستسلمتم الضعفاء فی ایدیہم فمن بین مستعبد مقہور و بین مستضعف علی معیشۃ مغلوب"۔

یہ ساری باتیں ہمارے زمانے پر منطبق ہیں بلکہ جس زمانے میں حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ اس سے زیادہ آج ہمارے زمانے میں یہ چیزیں منطبق ہیں۔

"ویتقلبون فی الملک بآرائھم و یستشعرون الخزی باھوائھم اقتداء بالاشرار وجرأۃ علی الجبار فی کل بلد منہم علی منبر خطیب یصقع۔

اس زمانے میں خطیب منبر پر ستمگاروں کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اور آج ریڈیو شور و غل مچاتا ہے بر خلاف اسلام ظالموں کے لئے بولتا رہتا ہے اور احکام اسلام کو مسخ کرکے پیش کرتا ہے۔

فالارض لہم شاغرۃ۔ آج زمین ظالموں کے لئے آمادہ ہیں۔ کوئی ان کو روکنے والا نہیں۔ اور نہ کوئی ان کے خلاف قیام کرنے والا ہے۔

وایدیہم فیہا مبسوطۃ والناس لہم خول لا ید فعون ید لامس فمن بین جبار عنید و ذی سطوۃ علی الضعفا و شدید مطاع لا یعرف المبدی المعید فیا عجبا ما لی لا اعجب والارض من غاش غشوم ومتصدق ظلوم وعامل علی المؤمنین لہم غیر رحیم، فاللہ الحاکم فیما فیہ تنازعنا والقاضی لحکمہ فیما شجر بیننا۔

اللہم انک تعلم انہ لم یکن ما کان منا تنافسا فی سلطان

ولا التماسا من فضول الحطام ولکن لنری المعالم من دینک و نظہر الاصلاح و بلادک، ویا من المظلومون من عبادک وتعمل بفرائضک و سنتک و احکامک۔

فانکم ان تنصرونا وتنصفونا قوی الظلمۃ علیکم وعملوا فی اطفاء نور نبیکم وحسبنا اللہ وعلیہ توکلنا والیہ انبنا والیہ المصیر۔

آپ خود ہی ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ شروع سے آخر تک حدیث علماء سے مربوط ہے اور اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ علماء سے مراد "آئمہ معصومین" ہیں۔ علما اسلام "علماء باللہ" ہیں اور ربانی ہیں۔ ربانی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو خدا پر اعتقاد رکھتا ہو۔ احکام خدا کی حفاظت کرتا ہو احکام خدا کا عالم ہو۔ حلال و حرام خدا کا امین ہو۔

حضرت کا یہ ارشاد۔ ہمارے امور علماء کے ہاتھوں میں ہیں۔ دو سال یا دس سال کے لئے نہیں ہیں، یا صرف اہل مدینہ ہی مخاطب نہیں ہیں۔ خود روایت اور خطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امیرؑ کی نظر وسیع تھی۔ ایک ایسی امت پیش نظر تھی جو قیام بھی کر سکے۔

اگر علماء حرام و حلالِ الٰہی کے امین ہو جائیں اور علم و عدالت کے حامل بن جائیں، حکم الٰہی کا اجراء کرنے لگیں۔ حدود کو جاری کرنے لگیں احکام و امورِ اسلام ان کے ہاتھوں جاری ہونے لگیں تو پھر ملت بے چارہ نہیں رہ سکتی۔ احکام اسلام معطل نہیں ہو سکتے۔

یہ روایت ہمارے بحث کی موید ہے۔ اگر سند ضعیف نہ ہوتی تو اسکو اولہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

--*--

"ولایت فقیہہ" کا موضوع ختم ہو گیا اب اس موضوع پر گفتگو نہیں کروں گا اور اس کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ اس موضوع کے فروع۔ مثلاً" زکوٰۃ کیوں کر ہو؟ حدود کیسے جاری کئے جائیں؟ سے بحث کی جائے۔ میں نے "حکومت اسلامی" کے اصول کی تحقیق کر دی اور عرض کر چکا کہ رسول خدا اور آئمہ معصومین کے لئے جو ولایت ثابت ہے وہ فقہائے کے لئے بھی ثابت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ البتہ اگر دلیل سے کوئی چیز خارج ہو جاتے تو ہم بھی اس کو خارج مان لیں گے۔

یہ موضوع ۔ ولایت فقیہہ ۔ کوئی نیا موضوع نہیں ہے کہ جس کو میں نے بیان کیا ہے۔ بلکہ شروع ہی سے یہ مسئلہ محل بحث رہا ہے۔ مرحوم میرزائے نائینی کا تمباکو کی حرمت کا حکم چونکہ حکومتی حکم تھا اس لئے دوسرے فقہاء پر بھی واجب الاتباع تھا اور ایران کے تمام بزرگ علماء ۔ چند کو چھوڑ کر ۔ نے اس حکم کی پابندی بھی کی تھی۔ حرمت تمباکو کا حکم قضاوتی نہیں تھا کہ چند افراد کے درمیان اس میں اختلاف رہا ہو اور مرحوم میرزا نے اپنی تشخیص کے مطابق حکم دے دیا ہو۔ مصالح مسلمین اور بعنوان ثانوی مرحوم نے اس حکومتی حکم کو صادر فرمایا تھا اور جب تک عنوان موجود تھا یہ حکم بھی تھا جب عنوان ختم ہو گیا تو حکم بھی ختم ہو گیا۔

میرزا محمد تقی شیرازی مرحوم نے جو جہاد کا حکم دیا تھا۔ البتہ اس کا نام دفاع تھا۔ اور تمام علماء نے اسکی متابعت کی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ حکم بھی حکومتی تھا۔

جیسا کہ مجھ سے نقل کیا گیا ہے۔ خود کاشف الغطاء مرحوم بھی بہت سے ان مطالب کے قائل تھے۔ یہ کہہ چکا کہ متاخرین میں سے علامہ نراقی مرحوم بھی تمام شوؤن رسول خدا کو فقہاء کے لئے ثابت جانتے تھے۔

آغائے نائینی مرحوم بھی فرماتے تھے کہ" مقبولہ عمر بن حنظلہ" سے یہ مطلب ثابت ہوتا ہے بہر حال یہ بحث نئی نہیں ہے۔ میں نے موضوع پر در اتفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور حکومت کے شعبوں کا ذکر کر کے آپ حضرات کے ہاتھوں میں دے دیا ہے تاکہ مسئلہ اور واضح ہو جائے۔ تھوڑے سے روز مرہ کے بھی مسائل کا ذکر کر دیا ہے۔ ورنہ مطلب وہی ہے جس کو بہت سے لوگ پہلے ہی سے جانتے ہیں۔

میں نے اصل موضوع کی بنیاد رکھدی ہے۔ اب موجودہ نسل اور آئندہ نسل کا فریضہ ہے کہ اطراف موضوع پر فکر و بحث کر کے اس کے حصول کی کوشش کریں سستی مایوسی وغیرہ کو اپنے سے دور کریں اور انشاء اللہ تعالیٰ کیفیت تشکیل و تمام متفرقات کو شورہ اور تبادلۂ خیال کے ذریعے حاصل کریں اور اسلامی حکومت کے اصول کو جاننے والے امین، عقلمند، معتقد حضرات کے سپرد کریں اور خائن کے ہاتھوں کو حکومت، وطن، بیت المال تک نہ پہنچنے دیں اور یہ اطمینان رکھیں کہ خدائے قادر ان کے ساتھ ہے۔

حکومتِ اسلامی کی تشکیل کا برنامہ

حکومتِ اسلامی کے لئے واقعی طور پر کوشش کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ سب سے پہلے تو ہمکو اس سلسلے میں تبلیغات سے کام لینا چاہیئے۔ ہمیشہ اور تمام دنیا میں یہی ہوتا رہا ہے کہ پہلے چند آدمی ملکر بیٹھتے تھے، فکر کرتے تھے اور مصمم ارادہ کر کے تبلیغ شروع کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ کچھ ہم نوا بھی پیدا ہو جاتے تھے۔ اور آخر میں ایک مستقل حکومت کی صورت میں ظاہر ہو جاتے تھے یا موجودہ حکومت سے جنگ کر کے اس کو ختم کر کے دوسری حکومت قائم کرتے تھے۔ محمد علی میرزا کو ختم کر کے مشروطہ حکومت کی تشکیل ہوئی تھی۔ ہمیشہ ہی سے یہ بات ہے کہ شروع

سیں لاؤ لشکر کی ضرورت نہیں ہوتی - صرف تبلیغ سے کام لیا جاتا ہے - ناپسندیدہ افراد کو محکوم کرکے ملت کو آگاہ کرتے تھے۔ کہ یہ لوگ نالائق ہیں۔ رفتہ رفتہ دائرہ تبلیغ وسیع ہوتا رہتا تھا اور معاشرہ کے تمام افراد اس میں شامل ہو جاتے تھے اور پھر لوگ بیدار ہوکر فعال ہو جاتے تھے اور نتیجہ تک پہنچ جاتے تھے۔

آپ کے پاس اس وقت نہ تو لشکر ہے نہ حکومت ہے صرف تبلیغ کا ذریعہ ہے اور دشمن کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ آپ کے تمام تبلیغی وسائل کو ختم کردے۔ لیکن اس کے ساتھ عبادی مسائل کو بتاتے رہنا چاہیئے لیکن اہم ترین مسئلہ اسلامی سیاست ہے۔ اسلام کے اقتصادی اور حقوقی مسائل ہیں۔ انہیں پر ہمیشہ سے دار ومدار رہا ہے اور رہنا بھی چاہیئے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ابھی سے ایک واقعی حکومت اسلامی کی بنیاد رکھنے میں کوشش سے کام لیں۔ تبلیغ کریں، تعلیم دیں، ہم نوا بنائیں۔ ایک تبلیغی وفکری سلسلہ شروع کریں تاکہ ایک اجتماعی صورت پیدا ہو جائے اور رفتہ رفتہ گروہ در گروہ دیندار افراد نہضت اسلام کے لئے قیام کریں۔ اور اسلامی حکومت کی تشکیل کریں۔

تبلیغ وتعلیم ہی دو اہم بنیادی چیزیں ہیں۔ فقہاء کا فریضہ ہے کہ اسلام کے عقائد نظام احکام کی تبلیغ کریں اور لوگوں کو تعلیم دیں۔ تاکہ اجرائے احکام اور نظام اسلام کی برقراری کے لئے معاشرے میں زمین ہموار ہو جائے آپ نے خود ملاحظہ فرمالیا کہ حدیث میں فقہاء کی صفت - - - - "یعلمونها الناس - - "لوگوں کو مسائل کی تعلیم دیتے ہیں" آئی ہے۔

بالخصوص ایسے شرائط کے سلسلے میں استعماری سیاستیں، ستمگر حاکم، خائن حکام یہودی، نصاریٰ، مادی حضرات، حقائق اسلام کی تحریف اور مسلمانوں کے گمراہ کرنے کی فکر میں لگی رہتی ہیں۔ اس سلسلے میں تبلیغ وتعلیم کی مسؤولیت ہر وقت سے زیادہ ہمارے اوپر ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہودیوں نے

"خذلهم الله" - قرآن میں تصرف کردیا ہے اور جو قرآن ان مناطق میں شائع ہوئے ہیں، ان میں کافی تغیرات ہیں۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اس قسم کے خائنانہ تصرفات کو روکیں۔ اس پر ہنگامہ کرنا چاہیئے، لوگوں کو متوجہ کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہودی اور ان کے پشت پناہ سب ہی اسلام کے مخالف ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں یہودی حکومت قائم ہو جائے اور چونکہ یہ لوگ بہت موذی اور کام کرنے والے ہیں اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جائیں اور ہم میں سے بعضوں کی سستی کا نتیجہ کہیں یہ نہ ہو جائے کہ ہمارے اوپر یہود کی حکمرانی ہو جائے۔ خدا وہ دن نہ لائے دوسری طرف کچھ مستشرقین جو استعماری موسسات کے عمیل ہیں انکی بھی یہی کوشش ہے کہ حقائق اسلام کو تحریف کرکے الٹا پیش کریں۔ استعماری مبلغین گرم کار ہیں اسلامی شہروں کے گوشے گوشے میں ہمارے نوجوانوں کو غلط تبلیغ کرکے ہم سے الگ کرنا چاہتے ہیں، وہ یہودی یا نصرانی نہیں بنانا چاہتے وہ تو بے دین ولا ابالی بنانا چاہتے ہیں۔ استعمار گروں کے لئے یہی کافی ہے۔ خود ہمارے تہران میں مرکز تبلیغات موجود ہیں، کلیسا، صہیونیت اور بہائیت کا وجود ہو چکا ہے جس سے لوگوں کو گمراہ کرکے بے دین بنا دیں۔ کیا ایسے مراکز - جو اسلام کے لئے نقصان دہ ہیں۔ کا برباد کر دینا ہمارا فریضہ نہیں ہے؟ کیا صرف نجف کا باقی رہنا ہمارے لئے کافی ہے؟ حالانکہ وہ بھی نہیں ہے کیا قم میں بیٹھ کر غم مناتے رہیں یا اسکے برخلاف زندہ وفعال رہیں؟

آپ حضرات جو نسلاً جوان ہیں انکا فریضہ ہے کہ حوزہ ہائے روحانیت کو باقی رکھیں اور خدا کو زندہ رکھیں۔ آپ جوان ہیں اپنی فکروں میں تکامل پیدا کیجئے۔ علوم محمدؐ وآلؑ و حقائق کے اطراف جو افکار گردش کرتے ہیں۔ انکو چھوڑ دیجئے کیونکہ یہ ریزبینی ہم میں سے بہتوں کو احساس مسؤولیت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اسلام کی مدد کیجئے۔ مسلمانوں کو خطرات سے بچائیے۔ یہ لوگ اسلام کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام اور رسول اسلامؐ کے نام پر اسلام کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تمام حوزہ ہائے خارجی و داخلی کے مبلغین

۔ خواہ وہ استعمار کے تابع ہوں یا ایسے داخلی مبلغ ہوں جو دیہاتوں میں جاکر ہمارے بچوں اور نوجوانوں کو خراب کر رہے ہیں ۔ کے ساتھ انصاف کیجئے۔

آپ کا فریضہ ہے، جو علم فقہ آپ نے حاصل کیا ہے ۔ اسکو لوگوں میں نشر کریں یاد رکھئے ہوئے مسائل لوگوں کو بتائیے ۔ روایت میں اہل علم کی جو تعریف و تمجید آئی ہے وہ اسی لئے ہے کہ احکام و عقائد و نظام اسلام کا تعارف کرائیے۔ سنت رسول ؐ کی تعلیم لوگوں کو دیجئے اور تبلیغ و تعلیم میں کوشش کیجئے ۔ اسلام کے سلسلے میں جو ابہام پیدا کر دیا گیا ہے ۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اس کو دور کریں۔ ہمکو چاہیئے کہ خود اور آنے والی نسلوں کو آمادہ کریں اور ان کو بتائیں کہ تم اپنے بعد آنے والی نسلوں کو مامور کرو کہ چند صد سالہ غلط تبلیغ کا اثر جو ذہنوں میں پیدا ہو گیا ہے ۔ حد یہ ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے ذہن بھی اس کے شکار ہو گئے ہیں ۔ اسکو ختم کریں اور اسلام کی صحیح تعلیم ذہن نشین کرائیں۔ حکومت اسلامی کا تعارف کرائیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کیا ہے ۔ ؟ اس کے قوانین کیسے ہیں؟ آج حوزہ قم، حوزہ مشہد اور دیگر حوزہ ہائے علمیہ کا فریضہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کریں ۔ لوگ اسلام کو نہیں پہچانتے ۔ آپ کو چاہیئے اپنے کو اپنے اسلام کو، رہبری کے نمونوں کو حکومت اسلامی کو دنیا کو پہچنوائیں۔ خصوصاً عقلاء کو، پڑھے لکھے افراد کو، طلاب کو بتائیں طلباء کی آنکھیں کھلی ہیں اگر انکو صحیح اسلامی حکومت کا تعارف کرایا جائے تو آپ یقین رکھئیے یونیورسٹی کے طلباء استقبال کریں گے ۔ طلباء ظلم و استبداد کے مخالف ہیں ۔ استعماری حکومتوں کے مخالف ہیں ۔ اموال عمومی کے غارت گری کے مخالف ہیں ۔ حرام خوری، دروغ گوئی کے مخالف ہیں ۔ لیکن ایسا اسلام جس کی تعلیم ایسی ہو ۔ جیسا کہ بیان کر چکے ۔ اس کا کوئی طالب علم، کوئی یونیورسٹی مخالف نہیں ہے ۔ ان کے ہاتھ نجف اشرف کے حوزہ علمیہ کی طرف بڑھے ہوئے ہیں کہ ہمارے لئے کچھ فکر کیجئے ۔ کیا ہم بیٹھے رہیں ، جب تک کہ خود وہ لوگ ہمیں

امر بمعروف کے انجام دہی کی دعوت نہ دیں؟ یورپ کے جوان ہمکو دعوت دیں کہ ہم نے حوزۂ اسلامی کی تشکیل دے لی ہے ۔ آپ ہماری مدد کیجئے ؟ ہمکو امر بمعروف کیجئے ؟ ہمارا فریضہ ہے کہ ان مطالب کی یاد دہانی کرائیں ۔ اسلامی حکومت کا طریقہ، عہد اسلام میں حکام اسلام کا رویہ بیان کریں اور کہیں کہ دار الامارہ، دکۃ القضاء (وزارت عدل و انصاف) کا وجود مسجد کے گوشے میں تھا اور حکومت کا دامن انتہائے ایران، مصر، حجاز، یمن تک پھیلا ہوا تھا ۔ افسوس جب حکومت بعد والے طبقہ تک پہنچی تو طرز حکومت بدل گیا ۔ طرز حکومت سلطنتی ۔ بلکہ اس سے بھی بدتر ۔ ہو گیا ۔

ان مطالب کو لوگوں تک پہنچانا چاہیئے اور ان کو سیاسی و فکری رشد دینا چاہیئے ۔ انکو بتانا چاہیئے کہ ہم کس قسم کی حکومت چاہتے ہیں ۔؟ ہمارے حکام کو کیسا ہونا چاہیئے ؟ ان کو کس قسم کی سیاست پر عمل کرنا چاہیئے؟

اسلامی حکومت کا ذمہ دار وہ ہے جو اپنے حقیقی بھائی ۔ حضرت عقیل ۔ کے ساتھ ایسا سلوک کرے کہ پھر زندگی بھر ایک حبہ اضافہ مانگنے کی ہمت نہ پڑے ہم کو ایسے حاکم کی ضرورت ہے ۔ ہم ایسا حاکم چاہتے ہیں ۔ ایسا حاکم جو قانون کا اجراء کر سکے ۔ نہ یہ کہ خواہش کا بندہ ہو ۔ تمام لوگوں کو قانون کی نظر میں برابر سمجھے افراد کے درمیان امتیاز سے کام نہ لے ۔ اپنے اور دوسرے کے خاندان کو ایک نظر سے دیکھے اگر بیٹا چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دے ۔ اگر بہن بھائی ہیروئن فروشی کریں تو انکو بھی اعدام کرے ۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگوں کو دس گرام ہیروئن کی خاطر قتل کرا دے اور کچھ لوگوں کے پاس منوں ہیروئن ہو تو ان سے کچھ نہ کہے ۔

تبلیغات وتعلیمات کیلئے اجتماعات

اسلام کے بہت سے عبادی احکام ایسے ہیں کہ ان سے اجتماعی وسیاسی فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اسلامی عبادتیں معاشرہ کے تدبیر وسیاست کے ساتھ جاری ہوتی ہیں۔ مثلاً نماز جمعہ، جماعت، حج، وغیرہ آثار اخلاقی واعتقادی کے ساتھ آثار سیاسی بھی اس میں موجود ہیں۔ اسلام نے اس قسم کے اجتماعات کا اہتمام کیا ہے۔ تاکہ اس سے دینی فوائد بھی حاصل کئے جاسکیں۔ عواطف برادری کو تقویت پہنچے۔ فکری رشد اور زیادہ ہوجائے۔ اپنی اجتماعی وسیاسی مشکلات کا راستہ تلاش کرلیا جائے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ عبادت بھی ہوتی رہے۔ غیر اسلامی ممالک یا غیر اسلامی حکومتیں جب اسلامی حکومتوں میں ایسے اجتماعات کرنا چاہتے ہیں تو کروڑوں روپے کے خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ان کے اجتماعات بے صفا اور آثار خیر سے عاری ہوتے ہیں۔ اسلام نے ایسا انتظام کیا ہے کہ ہر شخص خود ہی چاہتا ہے کہ حج کرنے جائے۔ خود ہی اپنے شوق سے نماز جماعت میں شرکت کرے۔ اس قسم کے اجتماعات میں ہمکو دینی تبلیغات اور تعلیمات اور نہضت اعتقادی وسیاسی اسلامی کا فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ کچھ لوگوں کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ انکو اس کے علاوہ کوئی فکر نہیں ہے کہ " ولا الضالین" کو مخرج سے اچھی طرح ادا کرسکیں۔ حج میں جاکر برادران اسلامی تفاہم کرنے اور احکام اسلام کے نشر کرنے کی بجائے تجارت کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے وہاں پر مسلمانوں کے عمومی مصائب ومشکلات کا حل تلاش کریں۔ مثلاً فلسطین جو وطن اسلام ہے سکے آزاد کرانے کے لئے اپنے اختلافات کو چھوڑ کر باہم سر جوڑ کر کوششیں کریں۔ صدر اسلام کے مسلمان حج وجمعہ وجماعت کے اجتماع میں اہم کام انجام

دے لیا کرتے تھے۔ خطبہ جمعہ میں یہ نہیں تھا کہ ایک سورة اور دعا پڑھ لیں اور چند کلمے ادا کردیں اور بس۔ بلکہ جمعہ کے خطبوں میں لشکر کی تیاری کا اعلان ہوتا تھا لوگ مسجد سے میدان جنگ کی طرف جاتے تھے۔ ظاہر ہے جو مسجد سے میدان جنگ کی طرف جائے گا وہ خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرے گا وہ قتل ہونے، آوارۂ وطن ہونے سے نہیں ڈرے گا۔ اس قسم کا لشکر فاتح وکامیاب ہوتا تھا۔ اگر آپ جمعہ کے خطبے، حضرت علی کے خطبوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا۔ ان خطبوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو راستہ پر لگایا جائے، ان میں حرکت پیدا کی جائے، انکو جنگ کے لئے آمادہ کیا جائے اسلام کے لئے فدائی اور مجاہد تیار کئے جائیں۔ دنیا کے لوگوں کی پریشانیوں کو دور کیا جائے۔ اگر مسلمان ہر جمعہ کو مجتمع ہوا کرتے، مسلمانوں کے اجتماعی مشکلات کا تذکرہ کیا کرتے، اور اسکے رفع کی کوشش کیا کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ اس زمانے میں ایسے اجتماعات کا فراہم کرنا ضروری ہے تاکہ اس سے تبلیغات وتعلیمات کا استفادہ کرسکیں۔ اس طرح سے اسلام کی اعتقادی و سیاسی نہضت وسعت پیدا کریگی اور اسکی ترقی نصیب ہوگی۔

ایک اور عاشورہ کا وجود ضروری ہے

اسلام کو پیش کیجئے اور عاشورہ کی طرح لوگوں میں اس کو پیش کیجئے جس طرح عاشورہ کو محفوظ رکھا گیا ہے کہ لوگ اس دن ماتم کرتے ہیں، اجتماع کرتے ہیں۔ ان کے موکتس پر لکھوں سلام۔ اسی طرح آپ ایسا کام کیجئے کہ حکومت کے لئے ایک موج پیدا کردے، اس میں بھی منبر کی پیدا ہوں اور لوگوں کے ذہن میں صحیح اسلام کو پیش کریں۔

اگر اسلام کی معرفی کی جائے اور اسلام کے اجتماعی نظام، اصول و احکام

سے لوگوں کو پہنچوایا جائے تو خدا شاہد ہے، باشتیاق کامل لوگ اس کا استقبال کریں گے کیونکہ اسکے چاہنے والے بہت ہیں میں نے تجربہ کیا ہے۔ جس وقت کوئی تقریر ہوتی تھی لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہو جاتا تھا کیونکہ تمام لوگ اس وضع سے ناراض و ناراحت ہیں۔ کیونکہ نوک نیزہ پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ لوگ تو ایک ایسے شخص کے خواہشمند ہیں جو میدان میں آئے اور بہادری کے ساتھ گفتگو کر سکے۔ آپ اسلام کے دلیر فرزند ہیں۔ آپ کو مردانہ وار کھڑا ہونا چاہیئے اور لوگوں کے لئے تقریر کرنی چاہیئے۔ حقائق کو سادہ زبان میں لوگوں کے لئے بیان کیجئے اور ان کو حرکت میں لائیے۔ کوچہ و بازار کے لوگوں میں ارے انھیں مزدوروں میں، پاک دل دیہاتیوں میں بیدار مغز طلبہ میں مجاہد بنائیے۔ تمام لوگ مجاہد بن جائیں گے۔ معاشرے کے ہر قسم کے لوگ اس بات پر آمادہ ہیں کہ ملت کی سعادت اور آزادی و استقلال کے لئے مبارزہ کریں۔ آزادی و سعادت کے لئے مبارزہ دین کا محتاج ہے۔ اسلام جو مکتب جہاد و دین مبارزہ ہے، اسکو لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچائیے تاکہ وہ اپنے عقائد و اخلاق کو اسی کے سانچے میں ڈھال لیں اور پھر مجاہدانہ سرگرمی کے ساتھ استعماری حکومت کو سرنگوں کر کے اسلامی حکومت قائم کریں۔ "فقہاء اسلام کے قلعے" ہیں۔ ان کو چاہیئے عقائد و نظام اسلام کی معرفی کریں، اس کی حفاظت کریں اور اس معرفی و حفاظت کو دھواں دھار تقریروں میں ثابت کریں۔ اس طرح اگر ایک سو بیس سال تک تبلیغ کرتے رہیں تب لوگوں کو احساس ہوگا کہ ہاں اسلام پر کوئی مصیبت آگئی ہے اور اس میں کوئی خلا پیدا ہو گیا ہے اور روایت کی زبان میں — ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدھا شیٔ کا مصداق ہو گیا ہے۔ یہ جو حضرات ائمہؑ نے فرمایا ہے کہ فقیہہ کے مرنے سے دیوار اسلام میں ناقابل درستگی خلا پیدا ہو جاتا ہے، کیا اس سے میری موت مراد ہے کہ جو دن بھر گھر میں مطالعہ

کرنے کے علاوہ کوئی بھی کام نہیں کرتا۔؟ بھلا میرے مر جانے سے کون سا خلا پیدا ہو جائے گا اسلام میں خلا اس وقت پیدا ہوتا ہے جب امام حسینؑ جیسی شخصیت دنیا سے اٹھ جائے جو علماء عقائد و قوانین اور نظام اجتماعی اسلام کے محافظ ہیں۔ جیسے خواجہ نصیر الدین طوسیؒ۔ علامہ حلیؒ وغیرہ۔ ان کے مر جانے سے اسلام میں خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے یا آپ کے مر جانے سے کیا دیوار اسلام میں خلا پیدا ہوگا؟ کیا ہم اس روایت کے مصداق ہیں؟ ہم میں سے ہزاروں آدمی بھی مر جائیں تو کوئی اثر نہیں پڑے گا ہم یا تو واقعی طور پر فقیہہ نہیں ہیں یا پھر واقعی طور پر مومن نہیں۔

طویل سفر

کسی عقلمند کو یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ ہماری تبلیغ و تعلیم سے بہت جلد اسلامی حکومت بن جائے گی۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مختلف قسم کی فعالیت مسلسل ضروری ہے۔ اس مقصد کی تکمیل میں مدت مدید کی ضرورت ہے۔ زمانے کے عقلمند ایک پتھر ایک جگہ پر رکھ دیتے ہیں کہ دو سو سال کے بعد کوئی دوسرا یہاں پر بنیاد رکھے اس طرح وہ لوگ اپنے مقصد پر پہنچ جاتے ہیں خلیفہ نے ایک بڈھے سے کہا جو اخروٹ کا درخت لگا رہا تھا کہ بڈھے یہاں ایسا درخت لگا رہے ہو کہ تمہارے مرنے کے پچاس سال بعد اس پر پھل آئے گا۔ بڈھے نے کہا کہ دوسروں نے لگایا تھا ہم نے کھایا اب ہم لگا رہے ہیں تاکہ دوسرے کھائیں۔

ہماری فعالیت کا نتیجہ اگر آنے والی نسلوں کے لئے بھی ہو تو ہم کو مسلسل کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ اسلام کی خدمت ہے۔ انسانوں کی سعادت کے لئے یہ کام ہے۔ کوئی شخصی چیز نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ کر ٹال دیں کہ

کو بھاتی اس کا نتیجہ ابھی تو حاصل نہ ہو گا دوسروں کو اس سے فائدہ ہو گا اس لئے ہم سے کیا واسطہ؟ سید الشہداء ؑ نے اپنے تمام مادی جہات کو داؤ پر لگا دیا اگر حضرت ؑ اس قسم کی فکر کرتے اور تمام کام ذاتی فائدے کے لئے انجام دیتے تو شروع ہی سے بیعت کر لیتے قصہ پاک تھا۔ اموی حکومت تو خدا سے چاہتی تھی کہ حسین ؑ بیعت کر لیں اور حکومت کا ساتھ دیں۔ ان کے لئے اس سے بہتر کیا ہو سکتا تھا کہ امام وقت نواسۂ رسول ؐ ان کو "امیر المومنین" کہے اور انکی حکومت کو قبول کر لے لیکن حضرت ؑ تو اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کی فکر کر رہے تھے کہ مستقبل میں میرے مقدس جہاد کا نتیجہ یہ ہو کہ اسلام کا سیاسی و اجتماعی نظام انسانوں میں نشر ہو سکے اس لیے آپ ؑ نے اتنی بڑی قربانی دی۔

جس روایت کو پہلے عرض کر چکا ہوں اس میں دقت نظر سے کام لیجئے کہ امام جعفر صادق ؑ جو تقیہ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ قوت اجرائی ان کے پاس نہیں تھی! اکثر اوقات محاصرہ و نگرانی میں بسر فرماتے تھے۔ مسلمانوں کی فکر میں رہتے تھے۔ لہذا ان کے لئے تکلیف معین کر گئے۔ حاکم اور قاضی متعین کر گئے حضرت ؑ کے اس کام کا کیا مقصد تھا۔؟ اصولاً اس عزل و منصب کا کیا فائدہ تھا؟ وسیع الفکر حضرات کبھی مایوس نہیں ہوا کرتے اور اپنی وضع فعلی کی قید میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں قید سے چھٹکارا نصیب ہو گا بھی کہ نہیں۔ کو نہیں سوچتے اپنے مقصد کی پیشرفت کے لئے جس طرح بھی ہو نقشہ بناتے رہتے ہیں تاکہ اگر ہو سکے تو خود کو اس مقصد کی تکمیل کر سکیں اور اگر ان کو زمانہ مہلت نہ دے تو دوسرے حضرات چاہے وہ سو تین سو سال کے بعد سہی۔ اس مقصد کی تکمیل کر سکیں زیادہ تر انقلابات ایسے ہی ہونے ہیں۔

انڈونیشیا کے سابق رئیس جمہور یہ قید خانے میں بھی اس فکر میں مبتلا رہا کرتے تھے اور ایسے نقشے بنائے کہ بعد میں خود انہوں نے اسکو عملی جامہ پہنایا۔

امام جعفر صادق ؑ نے نصب بھی فرمایا ہے۔ حضرت کا یہ نصب اگر اس دن کے لئے تھا تو یقیناً فائدہ مند نہیں تھا لیکن حضرت تو آئندہ کی فکر کر رہے تھے۔ ہماری طرح نہیں تھے کہ صرف اپنی فکر کریں بلکہ آپ ؑ امت کی فکر کرتے تھے۔ بشر کے لئے فکر کیا کرتے تھے تمام دنیا کے لئے فکر کرتے تھے۔ آپ انسانوں کی اصلاح کرنا چاہتے تھے عدل کے قانون نافذ کرنا چاہتے تھے۔ ایک ہزار و چند سو سال پہلے اس وقت تک کے لئے بنیاد رکھنی چاہیئے کہ ملتیں بیدار ہو جائیں۔ ملت اسلام آگاہ ہو جائے اور قیام کرے پھر کوئی تحیر نہ رہ جائے حکومت اسلامی کی وضع اور آئین اسلام معلوم و مشخص ہو جائے۔

اصولی طور پر دین اسلام، مذہب شیعہ اور باقی مذاہب و ادیان نے اسی طرح ترقی کی ہے یعنی ابتدا سوائے بنیاد گزاری کے اور کچھ نہیں تھا اور پھر رہبروں اور ہادیوں کی کوشش سے ثمر خیز ہوا۔

جناب موسیٰ ایک جگہ گلہ بان تھے۔ اور بس۔ مدتوں گلہ بانی کرتے رہے اور جب فرعون کے مقابلے میں مامور ہوتے، تو کوئی مددگار نہیں تھا۔ لیکن اپنی ذاتی صلاحیت اور عصا کے ساتھ قیام کر کے فرعون کی حکومت کے پرخچے اڑا دیئے۔ اگر جناب موسیٰ کا عصا ہمارے اور آپ کے ہاتھ میں ہوتا تو کیا ہم اور آپ یہ کام انجام دے سکتے تھے؟ اس عصا سے بساط فرعون کو الٹنے کے لئے موسیٰ کی ہمت و کوشش درکار ہے۔ یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام جب مبعوث برسالت ہوئے اور تبلیغ شروع کی تو ایک آٹھ سالہ بچہ (حضرت علی ؑ) اور چالیس سالہ عورت (جناب خدیجہ ؑ) حضرت پر ایمان لائیں۔ ان دو کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت کو کتنی اذیتیں پہنچائی گئیں اور کس قدر مخالفت کی گئی۔ لیکن آپ مایوس نہیں ہوئے

اور نہ یہ فرمایا کہ میرے پاس کوئی نہیں ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ بلکہ آپ نے روحِ قدرت اور عزم محکم کے ساتھ قیام فرمایا اور رسالت کو اس منزل پر پہونچا دیا کہ آج سات سو ملین شخص آپ کے جھنڈے کے نیچے موجود ہیں۔

مذہب شیعہ بھی شروع ہوا۔ جس وقت پیغمبر اسلام نے اسکی بنیاد رکھی تھی لوگوں نے مذاق اڑایا تھا۔ جب آپ نے (دعوت ذوالعشیرہ) لوگوں کو جمع کر کے دعوت کی اور فرمایا جو ایسا ایسا ہوگا وہی میرا وزیر ہے اس وقت سوائے حضرت علیؑ کے جو اس وقت سن بلوغ کو نہیں پہونچے تھے لیکن عظیم روحانی طاقت کے مالک تھے۔ کوئی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا بلکہ ایک شخص نے جناب ابو طالب کو مخاطب کر کے ازراہ مذاق کہا اب تمکو اپنے بیٹے کے جھنڈے کے نیچے چلنا پڑے گا۔

جس دن حضرت علیؑ کی حکومت وولایت کا اعلان کیا گیا ظاہری مبارکباد (بخٍ بخٍ) بلند ہوئی لیکن اسی دن سے مخالفت بھی شروع ہو گئی جو حضرت کی زندگی بھر باقی رہی۔ بلکہ مرنے کے بعد تک مترجم۔ اگر رسول خداؐ صرف مسائل شرعیہ میں مرجع بنا دیتے تو کسی قسم کی مخالفت نہ ہوتی لیکن چونکہ حضرت علیؑ کو منصب رجالشینی) مرحمت فرمایا گیا۔ مسلمانوں کا حاکم معین کیا گیا اس لئے یہ مخالفتیں ہوئی۔ آپ بھی اگر آج اپنے گھر میں بیٹھ جائیے حکومت کے کاموں میں دخل نہ دیجئے تو لوگوں کو آپ سے کوئی پرخاش نہیں ہوگی۔ لوگوں کو آپ سے اس وقت اختلاف پیدا ہوگا۔ جب ملکی معاملات میں آپ دخل دینا چاہیں گے۔ حضرت علیؑ اور شیعہ چونکہ حکومتی معاملات میں دخل دیتے تھے لہذا ہمیشہ مصیبتوں میں گرفتار رہے۔ لیکن پھر بھی آپ اپنی فعالیت وجہاد سے دستبردار نہیں ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج حضرت علیؑ کی تبلیغ کے طفیل

دنیا میں دو سو ملین شیعہ موجود ہیں۔

حوزہ ہائے روحانیت کی اصلاح

اسلام کی ترقی کا لازمہ یہ ہے کہ حوزہ ہائے روحانیت کی اصلاح کی جائے۔ اس ترتیب سے کہ درسی نظام اور تعلیم و تبلیغ کی روش (دونوں) مکمل ہو جائیں۔ سستی، کاہلی، مایوسی، نفس عدم اعتماد کی جگہ (جدیت) کوشش امید، نفس پر اعتماد پیدا ہو جائے۔ اجنبی تبلیغات کا اثر بعضوں میں سرایت کر گیا ہے وہ ختم ہو جائے۔ مقدس نما حضرات کی جو حوزہ ہائے روحانیت کے اندر لوگوں کو سلام اور اجتماعی اصلاحات سے روکتی ہے۔ اس کی اصلاح ہو جائے درباری ملّا جو دین کو دنیا کی خاطر بیچ ڈالتے ہیں ان کو اس لباس سے الگ کر دیا جائے۔ اور ان کو حوزہ ہائے روحانیت سے نکال دیا جائے۔

استعمار کے اخلاقی و فکری اثرات کا ختم کرنا ضروری ہے

استعماری قوتیں صدیوں سے زہر بو رہی ہیں۔ اور لوگوں کے اخلاق کو فاسد و برباد کر رہی ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ ایسے لوگوں میں سے جو حضرات حوزہ ہائے روحانیت میں آئیں گے۔ وہ طبعی طور پر برے افکار و اخلاق کو بھی اپنے ساتھ لائیں گے۔ اس قسم کی تعلیم گاہیں لوگوں اور معاشرے کا ایک جز ہیں اس لئے افراد حوزہ کے فکری و اخلاقی اصلاح کی طرف ہمکو متوجہ ہونا چاہیے جو فکری اور روحی آثار بیگانوں کی تبلیغ و تلقین سے

ان میں پیدا ہو گئے ہیں ، ان کا ختم کرنا ضروری ہے ۔

ایسے آثار کا وجود ہے ۔ آپ نے بھی مشاہدہ کیا ہوگا ۔ مثلاً بعضوں کو دیکھتے ہیں کہ درسوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے کان میں کہتے ہیں ۔ کہ یہ کام تو ہمارے بس کا نہیں ہے ۔ ہم کو ان چیزوں سے کیا کام ؟ ہمکو دعا کرنا چاہیئے اور انتظار کرنا چاہیئے ۔ یہ افکار بیگانوں کی تبلیغ و تلقین سے پیدا ہوئے ہیں ۔ استعمارگروں کی چند صد سالہ غلط تبلیغ کا نتیجہ ہے جو مختلف و تم و شہد کے دل کی گہرائیوں تک پہونچ چکا ہے اور اسی وجہ سے کاہلی اور سستی پیدا ہو گئی ہے ان کے پاس اپنی کوئی فکر نہیں ہے ۔ یہ برابر یہی عذر کرتے رہتے ہیں ہمکو ان چیزوں سے کیا واسطہ ؟

یہ غلط افکار ہیں آخر اسلامی ملکوں میں حکومت کرنے والے کیا کرتے ہیں ! وہ کون سا ایسا کام کرتے ہیں کہ جس کو ہم نہیں کر سکتے ؟ ان میں کون سا ایسا ہے جسکی لیاقت عام انسانی افراد سے زیادہ ہے ۔ ؟ ان میں بہت سے تو بے پڑھے لکھے ہیں حجاز کا بادشاہ کتنا پڑھا لکھا ہے اور اس نے کیا پڑھا ہے ؟ رضا خان تو بالکل جاہل تھا سپاہی تو جاہل ہی ہوتے ہیں ۔ تاریخ میں سبھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے ۔

بہت سے خود سر و مسلط حکام معاشرہ کے ارادے سے ، تدبیر ملت سے علم و فضیلت سے بے بہرہ تھے ۔ ہارون رشید یا دوسرے بادشاہ جو اتنی بڑی سلطنت پر حکومت کرتے تھے ۔ آخر انہوں نے کیا پڑھا تھا ؟ تعلیم اور فنون میں تخصص اجرائی کاموں کے لئے ضروری ہے کہ ہم بھی ایسے اشخاص کے وجود سے فائدہ حاصل کر سکیں ۔ جو باتیں نظارت اور ملکی نظام لوگوں کے درمیان عدالت وغیرہ کے لئے لازمی ہیں ۔ وہ سب وہی ہیں جن کو فقیہ حاصل کرتا ہے آزادی ملت کی حفاظت و استقلال کے لئے جو باتیں ضروری ہیں

وہ سب فقیہ کے پاس ہوتی ہیں ۔

یہ مجتہد ہی ہوتا ہے جو دوسرے کا زیر بار نہیں ہوتا اور بیگانوں کی غلط تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتا ۔ حقوق ملت ، آزادی اور استقلال ، وطن اسلام کی زمین کا جو جان کی بازی کر دفاع کرتا ہے ۔ جو اپنے باتیں کبھی انحراف نہیں کرتا ہے وہ فقیہ ہی ہوتا ہے

آپ حضرات اپنی افسردگی کو دور کریں ۔ اپنی تبلیغات کو مکمل کریں اسلام کی معرفی میں واقعی کوشش کریں ۔ اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے اپنے میں عزم محکم پیدا کریں اور اس راہ میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں ۔

حریت پسند حضرات کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالیں اپنے پر اعتماد کیجئے ۔ آپ جو یہ قدرت و جرات و تدبیر رکھتے ہیں اور آزادی استقلال ملت کے لئے کوشاں ہیں اگر آپنے اپنے جیسے لوگوں کو بیدار کیا اور استعمار اور استبداد کے قصر کو لرزہ بہ اندام کر دیا تو روز بروز آپ کا تجربہ زیادہ ہوگا ۔ آپکی تدبیر و لیاقت اجتماعی کاموں میں زیادہ ہوگی ۔ جب آپ اس بات پر قادر ہو جائیں کہ حاکم جور کو سرنگوں کر دیں تو گویا آپ نے عہدۂ حکومت و رہبری کو پورا کیا ۔ اگر ملکی انتظام کے لئے مالیات اور در آمد کی ضرورت ہے تو اسلام نے اس کو بیان کر دیا ہے ۔ اگر آپ کو قانون کی ضرورت ہے تو اسلام پہلے ہی قانون بنا چکا ہے ۔

اسلامی حکومت کی تشکیل کے بعد آپ کو قانون وضع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ بیگانہ پرست حکام کی طرح دوسروں سے قانون مانگنے کی ضرورت ہے ۔ ساری چیزیں مہیا اور تیار ہیں ۔ صرف تشکیل وزارت کا کام باقی رہ جاتا ہے ۔ اسے آپ اس فن کے متخصص کی مدد سے معین کر سکتے ہیں ۔

خوش قسمتی سے ملتیں آپ کی تابع ہیں۔ آپکے پاس جس چیز کی کمی ہے وہ ہمت اور اسلحہ ہیں۔ انشاء اللہ اسے بھی ہم حاصل کرسکیں گے۔ ہمیں عصاء موسیٰ اور ہمت موسیٰ کی ضرورت ہے ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے پاس جناب موسیٰ کا عصا اور علی ابن ابی طالب ؑ کی تلوار ہو۔ ہاں دینی درس گاہوں میں ایسے بیکار قسم کے لوگ بھی ہیں۔ جو تشکیل حکومت کا کام نہیں کرسکتے۔ وہ اتنے ناکارہ ہیں کہ قلم کو جنبش بھی نہیں دے سکتے اور نہ اسلام کی راہ میں کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں۔ انگریزوں نے ہمارے کان میں یہ کہہ دیا ہے (مولانا آپ اپنے کام سے کام رکھئے درس و تدریس میں مشغول رہیے آپ کو ان چیزوں سے کیا مطلب یہ آپ کے بس کا روگ نہیں ہے) اور ہم کو بھی یہ یقین آگیا ہے کہ ہم سے کچھ نہیں ہوسکتا اب تو صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ اس غلط تبلیغ کا اثر اگر ہم لوگوں کے ذہنوں سے ہٹانا چاہیں اور ان سے کہیں کہ آپ بھی رئیس بن سکتے ہیں۔ آپ بھی دوسروں کی طرح ہیں آپ بھی حکومت کا ارادہ کرسکتے ہیں۔ آخر دوسروں میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ جو آپ میں نہیں ہیں بس اتنا فرق ہے کہ بعض ان میں سے دوسری جگہوں پر جا کر وقت گزار چکے ہیں یا کچھ لکھ پڑھ سکے ہیں تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آئے گا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ علم نہ حاصل کریں۔ ہم علم کے مخالف نہیں ہیں۔ اگر آپ چاند پر جائیں، ایٹمی اسلحہ بنائیں۔ تو ہم آپ کو اس سے نہیں روکتے لیکن ان جگہوں پر بھی آپ کی کچھ شرعی تکلیف ہے۔ آپ اسلام کو پہچنوائیں۔ اسلام کے حکومتی پیغام دنیا تک پہونچائیں ہوسکتا ہے کہ یہ بادشاہان وقت ممالک اسلامی کے رئیس جمہور اس بات کی طرف متوجہ ہوجائیں کہ یہ بات صحیح ہے اور آپ کے تابع ہو جائیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ان کے ہاتھوں سے حکومت چھین لیں۔ جو اپنے عہدہ کے لائق ہوں گے ان کو اس

جگہ پر برقرار رکھا جائے گا۔ اور جو نالائق ہوں گے۔ ان کو بہرحال ہٹنا پڑے گا۔

آج دنیا میں ہماری تعداد سات سو ملین ہے۔ ایک سو ستر ملین یا اس سے زیادہ شیعہ ہیں۔ یہ سب ہمارے پیرو ہیں۔ لیکن ہم اپنی بے ہمتی کی وجہ سے ان کا فوری ارادہ نہیں کرسکتے۔ ہمکو ایسی حکومت بنانی چاہئیے جو لوگوں کی نظر میں ایماندار ہو۔ لوگوں کو اس پر اطمینان ہو۔ ہم امانت دار حاکم چاہتے ہیں تاکہ وہ ایمانداری کرے اور ہر شخص قانون کی پناہ میں آسودۂ خاطر ہو کر اپنے کاموں میں مشغول رہے۔

یہ وہ مطالب ہیں کہ آپ کو انکی فکر کرنا چاہئیے۔ آپ مایوس نہ ہوں یہ خیال نہ کیجئے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ خدا جانتا ہے کہ آپکی لیاقت و حقیقت دوسروں سے کسی طرح کم نہیں۔ البتہ اگر لیاقت کا مطلب ظلم و آدم کشی ہے تو یہ ہمارے پاس نہیں ہے۔

جس زمانے میں۔ میں اور آقائے قمی جو ابھی تک قید میں ہیں۔ قید خانے میں تھے اس وقت ایک نامعقول ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا (بد ذاتی و دروغ گوئی کا نام سیاست ہے۔ کمینگی کا نام سیاست ہے۔ مولانا یہ چیزیں ہمارے لئے چھوڑ دیجئے) اس نے یہ بات سچی کہی تھی؟! اگر اس کا نام سیاست ہے تو یہ انہیں کے لئے مخصوص ہے۔ اسلام کے پاس جو سیاست ہے مسلمان کے پاس جو سیاست ہونا چاہئیے۔ وہ معصومین ؑ کی سیاست ہے انہی حضرات کو ساستہ العباد کہا گیا ہے۔ انکی سیاست کے علاوہ اگر کوئی دوسری سیاست ہے تو وہ ہم نہیں جانتے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم کو غفلت میں رکھے۔ ہم سے گفتگو کرنے کے بعد اس نے اخباروں میں جا کر یہ بیان دے دیا (علماء سے اس بات پر معاہدہ ہوگیا ہے کہ علماء سیاست میں دخل نہیں دیں گے) ہم جب قید خانے سے چھوٹے تو ہم نے منبر پہ

جا کر اسکو جھٹلایا اور کہا کہ اس نے غلط اعلان کیا ہے۔ وہ جھوٹا ہے اگر خمینی یا کوئی دوسرا اس قسم کی بات کرتا ہے تو ہم اسے باہر کر دیں گے۔

ان لوگوں نے شروع سے آپ کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی ہے کہ سیاست کے معنی جھوٹ بولنا ہیں تاکہ حکومتی امور سے آپ حضرات دور رہیں اور یہ لوگ اپنا کام کرتے رہیں۔ آپ بس دعا گوئی میں مشغول رہیں۔ آپ یہاں بیٹھ کر (خلد اللہ ملکہ) کہئے۔ اور وہ اپنے حسب مرضی جو چاہیں کرتے رہیں جو بے ہودہ پن چاہیں کرتے رہیں۔ البتہ بحمد اللہ خود ان لوگوں کے پاس اتنی عقل نہیں ہے یہ تو ان کے استادوں نے یہ باتیں ان کے ذہنوں میں بیٹھا رکھی ہیں تین سو سال سے زیادہ انگریزوں کا اثر و نفوذ مشرقی ممالک پر رہا اور یہ ممالک اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس ہنگامے کے موجد انگریز ہیں اسکے بعد امریکہ اور دوسری استعماری حکومتیں انگریزوں کے ساتھ مل کر اس کام کرنے میں شریک ہو گئیں۔

ایک دن میں ہمدان میں تھا کہ ہمارا ایک طالب علم۔ جو مرد فاضل تھا۔ مگر لباس علماء کا اتار دیا تھا۔ لیکن اس کے اخلاق محفوظ تھے۔ ہمارے پاس آیا اور ایک بہت بڑے کاغذ کو ہمیں دکھایا جس میں جگہ جگہ سرخ نشان لگے تھے اس نے مجھے بتایا کہ یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہیں کہ یہ زمین کے نیچے چھپے ہوئے خزانے ہیں۔ جس کو بیرونی ملکوں کے افراد نے کشف کیا ہے۔

دوسرے ملکوں کے جانکار افراد نے ہمارے ملک کی زمین کا مطالعہ کیا اور زمین میں چھپے ہوئے تمام خزانوں کہ کہاں پر سونا ہے کہاں تیل ہے اور کہاں دیگر معدنیات کا پتہ لگایا اور ہمارے افراد کو دیکھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام اور روحانیت ہی ایک ایسی چیز ہے جو ان کے مقاصد میں حائل ہے انہوں نے اسلام

کی قوت کو دیکھا کہ اس نے یورپ پر تسلط قائم کر لیا تھا اور یہ سمجھ گئے کہ اسلام واقعی اس بساط کا شدید مخالف ہے نیز یہ بھی سمجھ لیا کہ علماء کو یہ اپنا پٹھو نہیں بنا سکتے اور نہ مال و دولت و اقتدار سے ان کے افکار کو بدل سکتے ہیں۔ اس لئے پہلے دن سے یہ طے کر لیا کہ اس کانٹے کو راستے سے ہٹانا ہوگا۔ اسلام کو مختصر اور روحانیت کو برباد کئے ہوئے بغیر ان کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اپنی تبلیغات کا رخ اسی طرف موڑ دیا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ ہماری نظروں میں اسلام چار مسئلے سے زیادہ کچھ نہیں ہے! دوسری طرف سے ان علماء کو جو جمعیت ہائے اسلامی کے راس و رئیس تھے متہم اور دوسرے ذرائع سے داغدار کرنا شروع کر دیا اس پروگرام کا ایک جز یہ بھی تھا کہ ایک نہایت بے آبرو، استعماری قوتوں کا آلۂ کار اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ نجف و ایران کے چھ سو علماء انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے۔ شیخ مرتضیٰ دو سال تک وظیفہ لینے کے بعد متوجہ ہو گئے تھے اس کا مدرک اسناد ہی ہے کہ ہندوستان میں انگلستان کے وزارت خارجہ کے ریکارڈ روم میں موجود ہیں" یہ استعماری لوگ ہیں جو ہم کو گالیاں دیتے ہیں۔ استعماری قوتوں کا جی چاہتا ہے ہر عالم کو اپنے دام میں پھنسا لیں ہر شخص سے یہ کہہ سکا کہ اس کا تعارف کرائیں تاکہ اصلاح علماء کو لوگوں میں بدنام کیا جائے اور لوگ علماء سے بدظن ہو جائیں دوسری طرف تبلیغ و تلقین کے ذریعے یہ کوشش رہی کہ اسلام کو مختصر کر کے متعارف کرایا جائے۔ اور لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ فقہاء اور علماء اسلام کے فرائض جزئی کاموں سے متعلق ہیں۔ ہمکو ابتداء سے یہ بتایا گیا ہے کہ مسئلہ گوئی کے علاوہ فقہاء کا کوئی دوسرا کام نہیں ہے:

بعض لوگوں کو اس پر یقین بھی آ گیا۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ تو ہماری آزادی اور تمام جہات کشور اسلامی کو ہمارے ہاتھ سے لینے کا پروگرام ہے۔ اور ناسمجھی ہیں وہ بھی انہیں کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ استعماری قوتوں نے یہ تبلیغ کی دین تو سیاست سے جدا چیز ہے۔ علماء کو اجتماعی امور میں دخل نہ دینا چاہیئے۔ علماء کا وظیفہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے سرنوشت، ملت اسلام کی نظارت کریں، افسوس بعضوں نے ایسی باتوں پر یقین کر لیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہمارے لوگ بھی یہی کہنے لگے۔

آپ ذرا حوزہ ہائے علمیہ کو دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس قسم کی تبلیغات کا اثر وہاں سے یہاں بھی موجود ہے۔ مہمل، بے کار، کاہل بے ہمت قسم کے لوگ آپ کو یہاں ملیں گے جنکا کام صرف دعا کرنا اور مسئلہ گوئی ہے۔ ضمناً آپ ایسے افکار و رویہ پر بھی مطلع ہو جائیں گے۔ کہ یہ انہی لوگوں کی تبلیغ کا اثر ہے۔ مثلاً گفتگو کرنا علماء کی شایان شان نہیں ہے۔ فقیہ و مجتہد کو گفتگو آنی ہی نہ چاہیئے اگر گفتگو جانتا بھی ہو تو فقط لا الہ الا اللہ کہتا ہو؟ اور کبھی ایک دو جملے ادا کر دے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور رسول خدا کی سنت کے خلاف ہے خدا نے سخن گوئی بیان و قلم و تحریر کی تعریف فرمائی ہے۔ سورہ رحمٰن میں ارشاد ہے۔ "علمہ البیان" اور یہی نہیں بلکہ بیان کو عظیم نعمت شمار کیا ہے بیان تو احکام خدا کے نشر اور اسلامی عقائد و تعلیم کے پھیلانے کے لئے ہے نطق و بیان ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ لوگوں کو اسلام سمجھایا جا سکتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے ہم "یعلموا انھا الناس" کے مصداق بن سکتے ہیں۔ رسول خدا اور حضرت علیؑ نے خطبے ارشاد فرمائے۔!

بناوٹی مقدسین کی اصلاح

اس قسم کے بے ہودہ اور احمقانہ خیالات رکھنے والے ناسمجھ ہیں۔ استعمارگروں اور ظالم حکومتوں کی مدد کر رہے ہیں تاکہ اسلامی حکومتیں اسی طرح ہو جائیں اور اسلام کی ترقی رک جائے۔ اس قسم کے افکار ایک ایسی جماعت کے ہیں جن کو مقدسین کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ مقدس بنے ہیں مقدس نہیں ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان کے خیالات کی اصلاح کریں اور اپنی تکالیف ان کو بتا دیں۔ کیونکہ یہ خیالات مانع اصلاحات ہیں اور انہوں نے ہمارے ہاتھوں کو باندھ دیا ہے۔

ایک دن میرے گھر پر ایک سیاسی مسئلہ کے لئے آقائے بروجردی، آقائے حجت، آقائے صدر، آقائے خوانساری جمع تھے۔ میں نے ان حضرات سے عرض کیا: آپ ہر کام سے پہلے بناوٹی مقدسین کی تکلیف کو واضح فرمایئے ان کے ہوتے ہوئے آپ کی مثال ایسی ہے کہ دشمن نے آپ پر حملہ کیا ہے اور ایک شخص نے آپ کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ یہ بناوٹی مقدسین مصالح و مفاسد کی طرف متوجہ نہیں۔ انہوں نے آپ کے ہاتھوں کو باندھ رکھا ہے۔ اگر آپ کوئی کام کرنا چاہیں۔ حکومت کرنا چاہیں پارلیمنٹ کو روکنا چاہیں یہ کام نہیں ہو سکتا تو یہ لوگ آپ کو برباد کر دیں گے۔ ہر چیز سے پہلے آپ کو ان کی فکر کرنا چاہیئے۔

آج مسلمانوں کے معاشرے کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ بناوٹی مقدسین اسلام و مسلمین کے اثر و نفوذ کے لئے سد راہ ہیں یہ لوگ اسلام کے نام پر اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس جماعت کی جڑیں دینی درسگاہوں میں ہیں نجف اشرف، قم، مشہد، اور دوسری دینی درسگاہوں میں ایسے افراد

موجود ہیں۔ جو بادئی مقدسین ہیں اور یہیں سے اپنے غلط افکار کو اسلام کے نام پر معاشرہ میں پھیلاتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ اگر کوئی مرد مجاہد پیدا ہو جائے اور اعلان کرے۔ آؤ آؤ تیار ہو جاؤ۔

ہم دوسروں کے جھنڈے کے نیچے زندگی نہیں بسر کر سکتے انگریز و امریکہ کے اقتدار کو ختم کرو، اسرائیل کا قلع قمع کر دو۔ تو یہی جماعت اس کی مخالفت کرے گی۔

اس جماعت کو پہلے تو نصیحت کرنا چاہئیے کہ کیا آپ خطرہ محسوس کر رہے نہیں کر رہے ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں۔ اسرائیلی مسلمانوں کو مار رہے ہیں۔ قتل کر رہے ہیں۔ انگریز و امریکہ بھی ان کی مدد کر رہے ہیں اور آپ بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کب بیدار ہوں گے لوگوں کی بدبختی کا علاج کب کریں گے؟ تنہا مباحثہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ صرف مسئلہ گوئی درد کی دوا نہیں ہے۔ ایسے حالات ہیں کہ جب اسلام کو ختم کیا جا رہا ہے۔ آپ خاموش نہ بیٹھیں۔ اپنی حالت نصرانیوں کی سی نہ کیجئے کہ وہ روح القدس و تثلیث کے بارے میں گفتگو کرتے رہے اور دشمن نے حملہ کر کے انکو گرفتار کر لیا۔ قتل کر ڈالا آپ جاگئے! حقائق و واقعیت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ مسائل حاضرہ پر توجہ فرمائیے۔ اپنے آپکو آنا لے کار بنا لیجئے آپ ان مہمل کاریوں کے ساتھ کیا اس بات کی تمنا کر سکتے ہیں کہ ملائکہ آپ کے پیروں کے نیچے پر بچھائیں؟ کیا ملائکہ کاہل پرور ہیں۔ ملائکہ اپنے پروں کو حضرت علیؑ کے پیروں کے نیچے بچھاتے ہیں۔ کیونکہ حضرت کا وجود اسلام کے لئے مفید تھا اسلام کو بزرگ بنایا تھا آپ کے ذریعے دنیا میں اسلام پھیلا۔ اور ساری دنیا میں شہرت حاصل کی؛ حضرت کی حکومت میں خوشنام آزاد، پُر حرکت، پُر فضیلت معاشرہ پیدا ہو سکتا ہے یقیناً ملائکہ حضرت علیؑ کے لئے خضوع اور خشوع کرتے ہیں۔ بلکہ سب ہی آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ یہاں تک آپ کی عظمت کے

کے سامنے دشمن بھی سر جھکاتا ہے۔ آپ کے لئے جس کا کام مسئلہ گوئی کے علاوہ کچھ نہیں ہے بھلا کون خضوع و خشوع کرے گا۔؟

نصیحت کے بعد بھی اگر یہ لوگ بیدار نہ ہوں، اور احساس فریضہ ان کے ذہنوں میں پیدا نہ ہو تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا قصور غفلت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ان کا درد ہی دوسرا ہے پھر ان کا حساب دوسری طرح چکایا جائے گا۔

دینی درسگاہوں کی طہارت

دینی درسگاہیں، تدریس، تعلیم، تبلیغ مسلمانوں کے رہبری کی جگہ ہے نقہائے عادل فضلا مدرسین طلاب کی جگہ ہے امانتدار، جانشین پیغمبران کی جگہ ہے۔ ظاہر ہے کہ الٰہی امانت ہر ایک کو سونپی نہیں جا سکتی۔ جو شخص ایسے عظیم منصب پر فائز ہونا چاہتا ہے امور مسلمین کا والیٔ امیر المومنین، کا نائب بننا چاہتا ہے اعراض، اموال و نفوس مردم، غنائم حدود اور ان جیسی چیزوں میں دخل دینا چاہتا ہے اسکو منزہ ہونا چاہئیے۔ دنیا طلب نہ ہونا چاہئیے۔ جو شخص دنیا کے لئے ہاتھ پیر مارے۔ چاہے وہ امر مباح ہی ہو۔ وہ امین اللہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس پر اطمینان کرنا چاہئیے۔ جو فقیہہ دستگاہ ظلم میں وارد ہو جائے۔ ان کے احکام کی اطاعت کرے۔ ان کا حاشیہ نشین بن جائے وہ نہ تو امین ہو سکتا ہے اور نہ امانت دار الٰہی ہو سکتا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ صدر اسلام سے اب تک ان علماء سوء کے ہاتھوں اسلام پر کتنی مصیبتیں نازل ہوئیں ابو ہریرہؓ بھی فقہاء میں سے تھے۔ لیکن خدا جانتا ہے کہ امیر (شام) معاویہ

جیسے لوگوں کے لئے کتنی حدیثیں اس نے گھڑ دیں اور اسلام پر کتنی مصیبتیں ڈھائیں (کیونکہ یہ علماء سو میں سے تھا۔ مترجم) سلاطین کے دربار میں علماء کی آمد و رفت اور درباری آدمیوں کی آمد و رفت میں فرق ہے۔ اگر عام آدمی ہے تو وہ خود فاسق ہو گا اس سے زیادہ کچھ اور نہیں! لیکن ایک فقیہہ، ایک قاضی جیسے "ابو ہریرہ" اور "قاضی شریح" قسم کے افراد حکومت کے حاشیہ نشین بنکر حکومت کی عظمت بڑھائیں گے۔ اسلام کو داغدار کریں گے۔ ایک فقیہہ کا درباری بن جانے کا مطلب پوری ایک امت کا درباری بن جانا ہے۔ نہ صرف ایک عام آدمی کا درباری بن جانا ہے اسلئے آئمہ معصومین نے اسے بہت سختی کے ساتھ روکا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

فقہائے اسلام کی تکلیف ذمہ داری دوسروں سے الگ ہے۔ ان کو تو اپنے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے مباح چیزوں کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے جن مواقع پر دوسروں کے لئے تقیہ ہے۔ فقہا کو وہاں پر تقیہ نہیں کرنا چاہیئے تقیہ اسلام اور مذہب کو بچانے کے لئے تھا اگر تقیہ نہ کیا جاتا تو مذہب ختم ہو جاتا تقیہ کا تعلق ہمیشہ فروع سے ہوا کرتا ہے مثلاً وضو یوں نہیں کرنا چاہیئے لیکن اگر اصول اسلام اور حیثیت اسلام خطرہ میں پڑ جائے تو تقیہ نہیں ہے

اگر ایک فقیہہ کو مجبور کر کے منبر پہ حکم الٰہی کے خلاف بیان کرنے پر آمادہ کریں تو کیا وہ (التقیہ دینی و دین آبائی) کا سہارا لیکر شرع کے خلاف احکام بیان کر سکتا ہے؟ مثلاً زنا کو جائز کر سکتا ہے؟ جی نہیں! یہ تقیہ کا موقع نہیں ہے۔ اگر یہ بات مسلم ہو کہ ایک فقیہہ کے درباری بن جانے سے ظلم کا رواج ہو جائے گا۔ اسلام داغدار ہو جائے گا تو اس کو درباری بننا جائز نہیں ہے۔ چاہے اسکو قتل کر دیں۔ اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا درباری ہونا عقل کی بنیاد پر تھا

بنیاد پر تھا۔ جیسے علی ابن یقطین کے لئے معلوم ہے کہ کیوں درباری ہو گئے تھے یا خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کے لئے معلوم ہے کہ ان کے درباری ہونے سے کتنا فائدہ ہوا۔ تب کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسی صورت میں درباری بن جانا چاہیئے۔

فقہاء درباری ہونے سے پاک و منزہ ہیں۔ صدر اسلام سے اب تک ان کا موقف واضح و روشن ہے ان کا موقف نور کی طرح ہمارے سامنے چمک رہا ہے اس میں کوئی داغ نہیں ہے۔ فقہاء اسلام نے نہ صرف یہی نہیں کہ انکی اطاعت نہیں کی بلکہ انکی مخالفت بھی کی۔ قید کئے گئے۔ ڈرائے گئے مگر اطاعت نہیں کی۔ ہاں اگر کنٹرول کرنے کے لئے یا انقلاب لانے کے لئے کوئی درباری ہو جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت بھی اگر ایسے کاموں کے لئے ہمکو درباری ہونا پڑے گا تو واجب ہے۔ بہر حال اس وقت یہ موضوع محل بحث نہیں ہے؟ اعتراض تو ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے سر پر عمامہ رکھ لیا ہے اور چند کلمہ یہاں پر اور دوسری جگہ پڑھ لیا یا نہیں پڑھا اور شکم پروری کے لئے درباری بن گئے ہم کو انکی طرف توجہ دینا ہے۔

درباری ملّاؤں کو نکالو

یہ لوگ فقہاء اسلام نہیں ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کے سروں پر حکومت نے عمامہ رکھا ہے تاکہ یہ دعا گوئی کریں۔ اگر عید یا دوسرے مواقع پر حکومت آئمہ جماعت کو تجویز نہ کر سکے۔ وہ اگر نماز پڑھا دیں تو ایسے مواقع کے لئے اس قسم کے لوگوں کو بنا رکھا ہے۔ جو اسکو "جل جلالہ" کہتے ہیں۔ آخری دور میں شاہ ایران کو "جل جلالہ" کا لقب دیا گیا ہے۔

یہ لوگ فقہاء نہیں ہیں۔ ساری دنیا ان کو جانتی ہے۔ روایت میں ہے کہ ایسے لوگوں سے اپنے دین کے لئے ڈرو! یہ تمہارے دین کو برباد کردیں گے۔ ان کو ذلیل و رسوا کرنا چاہیئے تاکہ اگر آبرو مند ہوں تو ذلیل ہو جائیں لوگوں کی نظروں سے گر جائیں۔ اگر انکو مجمع عام میں نہ گرایا گیا تو یہ لوگ امام زمانہؑ کو رسوا کریں گے۔ اسلام کو ذلیل کریں گے۔

ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کے عمامے نوچ ڈالیں فقہاء اسلام، اور علمائے اسلام کے نام پر مسلمانوں کے معاشرے کو برباد کرنے والے ملاؤں کے سر کے عمامے نوچنا ہی چاہئیں۔ مجھے معلوم نہیں کیا ہمارے نوجوان ایران میں مر گئے ہیں؟ آخر یہ سب کہاں ہیں؟ جب ہم تھے تو یہ سب نہیں تھا؟ آخر ان کے عمامے اب تک سروں پر کیسے باقی ہیں؟ میں یہ نہیں کہتا کہ انکو قتل کردو یہ گردن زدنی کے قابل نہیں ہیں مگر عمامہ ان کے سروں پر نہ ہونا چاہیئے لوگوں کا فرض ہے، جوانوں پر واجب ہے کہ اس قسم کے ملاؤں کو "جل جلالہ" کہنے والے معممین کو مسجدوں میں نہ آنے دیں، لوگوں میں عمامہ پہن کر نہ آنے دیں۔ ان کی بہت پٹائی بھی ضروری نہیں ہے۔ لیکن ان کے سروں سے عمامہ کا اترنا بہت ضروری ہے۔ یہ شریف لباس ہے، ہر کس و ناکس کے جسم پر نہ ہونا چاہیئے پہلے بھی عرض کر چکا کہ علمائے اسلام ان باتوں سے علیحدہ ہیں۔ وہ حضرات نہ کبھی درباری تھے اور نہ اب ہیں۔ دربار داری کرنے والے مفت خور ہیں۔ جنھوں نے اپنے علماء کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ ان کا حساب ہی دوسرا ہے لوگ انکو خوب پہچانتے ہیں۔

ہمارے فرائض بھی بہت مشکل ہیں۔ ہم سب پر لازم ہے کہ روحانی لحاظ سے طرز زندگی کے لحاظ سے اپنے کو کامل سے کامل تر کریں۔ سب سے زیادہ پارسا بن جائیں۔ مال دنیا سے روگرداں ہو جائیں۔ آپ حضرات روحانیوں سے خطاب)

اپنے کو امانت الہٰی کی حفاظت کے لئے آمادہ کیجئے۔ امین بنیئے۔ دنیا کو اپنی نظروں سے گرا دیجئے، آپ یقیناً حضرت علیؑ کی طرح نہیں ہو سکتے جن کی نظروں میں دنیا بکری کی ناک سے نکلنے والی کثافت سے بھی زیادہ کم قیمت تھی لیکن دنیاوی باتوں سے تو پرہیز کیجئے۔ اپنے نفوس کو پاکیزگی عطا کیجئے، خدا کی طرف متوجہ ہوئیے اور متقی ہو جائیے اگر خدانخواستہ درس پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ باعزت ہو جائیے تو نہ فقیہہ ہو سکیں گے اور نہ امین اسلام اپنے کو ایسا تیار کیجئے کہ اسلام کے لئے مفید ہوئیے۔ امام زمانہؑ کے لشکر میں شامل ہو سکے۔ اسلام کی خدمت اور عدالت کو بسط و نشر کر سکے، افراد صالح معاشرہ میں ایسے ہوتے ہیں کہ خود ان کا وجود معاشرہ کے لئے مفید ہے۔ ہم نے ایسے اشخاص دیکھے ہیں۔ ان کے ساتھ چلنے اور معاشرت کرنے سے انسان خود بھی صالح ہو جاتا ہے۔ آپ ایسا کام کیجئے جس سے دوسروں کی اصلاح ہو سکے۔ لوگ آپ کی اقتدا کریں۔ آپ مقتدی الانام ہو جائیں "جنداللہ" خدا کے سپاہی بن جائیں اور اسلام کا تعارف کرائیں۔ حکومت اسلامی کا تعارف کرائیں میں یہ نہیں کہتا کہ تعلیم چھوڑ دیجئے۔ تعلیم تو بہت ضروری ہے فقیہہ بنیئے۔ فقاہت میں کوشش کیجئے۔ دینی درسگاہوں میں فقہیہ کو باقی رکھیئے۔ جب تک آپ فقیہہ نہ ہوں گے۔ اسلام کی خدمت نہ کر سکیں گے لیکن تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کی معرفی کی بھی فکر کیجئے۔ فعلاً اسلام غریب ہے۔ کوئی اسکو نہیں پہچانتا لیکن آپ پر واجب ہے کہ اسلام و احکام کو لوگوں تک پہونچائیے تاکہ لوگ جانیں کہ اسلام کیا ہے۔؟ اسلامی حکومت کیا ہے۔؟ رسالت و امامت کیا ہے۔ اسلام کیوں آیا ہے۔ اور کیا چاہتا ہے! رفتہ رفتہ اسلام کو لوگ پہچان لیں گے اور اسلامی حکومت بن سکیگی۔

ظالم حکومتوں کا تختہ الٹ دو

(۱) ان کے موسسات وادارات سے قطع تعلق کیجئے۔ (۲) ان کا ساتھ نہ دیجئے (۳) جس کام سے ان کی اعانت ہوتی ہے۔ وہ کام نہ کیجئے (۴) جدید موسسات قضائی، مالی، اقتصادی، فرہنگی اور سیاسی تشکیل دیجئے۔ طاغوتی حکومتوں کا تختہ الٹنا ہمارا فریضہ ہے۔ ان حکومتوں کو ہٹا کر ایسی حکومت لایئے جو قانون شریعت کے موافق عمل کرے اور رفتہ رفتہ حکومت اسلامی کی تشکیل ہو جائے قرآن نے طاغوتی طاقتوں کی اطاعت سے روکا ہے لوگوں کو ظالم حکومتوں کے خلاف آمادہ کیا ہے موسیٰ کو فرعون کے خلاف اقدام کرنے پر ابھارا ہے ایسی بہت سی روایات ہیں جن میں ظالمین اور دین میں تصرف کرنے والے افراد کے خلاف تشویش دلائی گئی ہے۔ آئمہ معصومینؑ اور ان کے ماننے والے شیعہ باطل حکومتوں سے برسرپیکار رہے آئمہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے باقاعدہ یہ بات واضح روشن ہو جاتی ہے بیشتر اوقات حکام ظلم و جور کے پنجوں میں گرفتار رہے خوف و تقیہ کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن خوف مذہب کا نہیں تھا۔ اپنی جان کے خوف سے تقیہ نہیں کرتے تھے یہ بات بخوبی معلوم ہو سکتی ہے خود حکام جور آئمہؑ معصومین سے خوفزدہ رہتے تھے۔ یہ لوگ، حکام جور، جانتے تھے کہ اگر آئمہ کو فرصت مل گئی تو یہ حضرات ہمارے خلاف اقدام کریں گے۔ ہمارے عشرت زدہ اور ہوس بازی کی زندگی کو ہم پر حرام کر دیں گے۔ آپ نے جو یہ دیکھا ہے کہ ہارون نے حضرت موسیٰ ابن جعفرؑ کو مدتوں قید خانے میں رکھا یا مامون رشید نے امام رضاؑ کو لے جا کر اپنی حفاظت میں رکھا آخر میں زہر دے دیا یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ

امام موسیٰ و امام رضاؑ ۔ اولاد پیغمبرؐ ہیں۔ اور یہ ۔ ہارون و مامون۔ پیغمبرؐ کے مخالف ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں۔ ہارون و مامون شیعہ تھے۔ بلکہ یہ مخالف تو صرف اس وجہ سے تھے کہ الملک عقیم "ملک بانجھ ہوتا ہے" اور یہ لوگ جانتے تھے کہ اولاد علیؑ خلافت کے طالب ہیں۔ اسلامی حکومت کی تشکیل پر اصرار رکھتے ہیں کہ حکومت وخلافت کو ناحق سمجھتے ہیں جیسا کہ بنا بر روایت اس واقعہ سے واضح ہے جب مامون نے امام رضا سے کہا حدود فدک بیان فرمایئے تاکہ آپکو واپس کر دیا جائے اور امام رضاؑ نے اسلامی ممالک کی تعیین فرمائی کہ یہاں تک حد ہے یہ ہمارا حق ہے اس پر ہماری حکومت ہونا چاہیئے۔ تم غاصب ہو۔ تو مامون نے دینے سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ پھر ہمارے پاس کیا رہ جائے گا۔

حکام جور جانتے تھے کہ اگر امام موسیٰ ابن جعفر کو آزاد کر دیا جائے تو ان لوگوں پر زندگی حرام کر دیں گے اور بہت ممکن ہے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جس سے امام موسیٰؑ حکومت کا تختہ الٹ دیں اس لئے انکو موقع ہی نہیں دیا گیا اور اس میں شک بھی نہیں ہے کہ اگر امام موسیٰؑ کو مہلت دی گئی ہوتی تو حضرت ان کے خلاف قیام کرتے۔ آپ اس میں شک نہ کیجئے کہ اگر امام موسیٰؑ کو فرصت ملتی تو غاصب بادشاہوں کا تختہ پلٹ دیتے۔

اسی طرح مامون بھی امام رضاؑ کو "یا ابن عم" یا ابن رسول اللہ کہنے کے باوجود ہر وقت حضرت پر کڑی نظر رکھتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ حضرتؑ قیام کر کے ہماری حکومت کا تختہ پلٹ دیں۔ کیونکہ بہر حال پسر پیغمبرؐ ہیں ان کے حق میں وصیت موجود ہے اسی لئے حضرت کو مدینے میں بھی نہیں رکھا حکام جابر سلطنت وحکومت کے خواہشمند تھے۔ ہر چیز کو سلطنت پر فدا کرنے کے

(۱) ہارون پکا دشمن اہل بیتؑ تھا۔ مامون کی بھی شخصیت ثابت نہیں ہے۔

پرتیار تھے۔ انکو کسی سے ذاتی عداوت و دشمنی نہیں تھی چنانچہ روایت ہیں ہے کہ جب حضرت ہارون کے پاس آئے تو اس نے حکم دیا کہ حضرت کو مسند تک سوار آنے دو اور بہت احترام کیا اور جب سہم بیت المال کی تقسیم کا وقت آیا تو بنی ہاشم کے لئے بہت ہی مختصر رقم معین کی گئی۔ مامون اس وقت موجود تھا۔ اس نے سوچا کہاں یہ تعظیم و احترام اور کہاں یہ حقہ! اسکو بہت تعجب ہوا۔ تو ہارون نے کہا کہ تمہاری سمجھ میں یہ بات ابھی نہیں آئے گی۔ بنی ہاشم کو ہمیشہ یوں ہی رکھنا چاہیئے انکو ہمیشہ فقیر رکھنا چاہیئے۔ قیدی بنانا چاہیئے۔ ملک بدر کرنا چاہیئے۔ رنجیدہ و غمگین رکھنا چاہیئے۔ زہر دینا چاہیئے قتل کرنا چاہیئے۔ ورنہ یہ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہمارے لئے زندگی تلخ کر دیں گے۔

خود آئمہ معصومین نے جابر و ظالم حکومتوں سے نہ صرف مبارزہ کیا ہے بلکہ مسلمانوں کو ان کے خلاف جہاد کی دعوت دی ہے پچاس سے زیادہ ایسی روایات "وسائل الشیعہ" مستدرک اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں جن میں ظالم حکومتوں سے کنارہ کش رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ انکی مدح کرنے والوں کے منھ میں خاک ڈالو جو بھی ایک مدّ سے انکی مدد کرے۔ یا انکی دوات میں پانی ڈالے۔ وہ ایسا ہے اور ویسا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ معصوم نے حکم دیا ہے کہ ان سے کسی قسم کے روابط نہ رکھو اور ان کا ساتھ نہ دو۔

دوسری طرف وہ تمام روایات جن میں عالم و فقیہ عادل کی تعریف و فضیلت بیان کی گئی ہے یہ سب ایک بنیاد گزارش کی منزل میں ہیں اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے آیا ہے۔ اسلام اس لئے آیا ہے کہ ظالموں کو حکومت سے ملت سے منحرف کرے۔ خانۂ ظلم کو ویران کر دے